ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 09)
مک مکا
(تحریر حسام بٹ)
عقیل قریشی - یاسر حسین
محمد سجاد بھٹی
سسپنس ڈائجسٹ : جون 2018
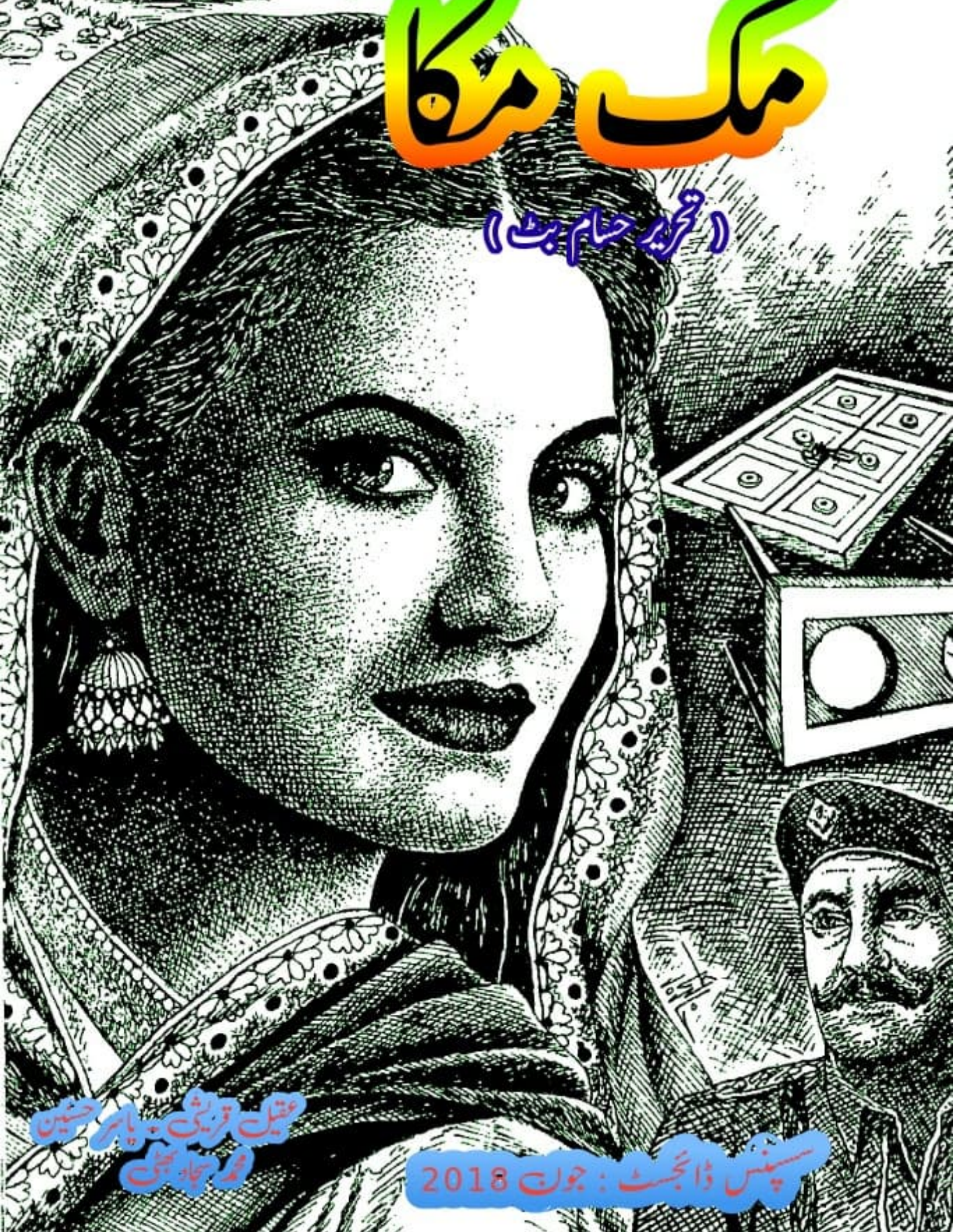
مُکا مُکا

ملک صفدر حیات

جس طرح عشق اور مشک کا چُھپنا ممکن نہیں ہوتا اسی طرح تعفن پر بھی لاکھ پردے ڈال دیے جائیں اپنا پتا ضرور دیتا ہے۔ یہی حال اس طاقتور شخص کا بھی تھا جسے اپنے اقتدار پر بڑا گھمنڈ تھا مگر جب دست قدرت کو جنبش ہوئی تو سارا گھمنڈ کانچ کے مانند زمیں بوس ہوگیا اور....... بالآخر مُک مُکے کی نوبت چلی آئی کیونکہ تکبّر کو ایک نہ ایک دن خاک میں ہی ملنا ہوتا ہے... یہی بات ملک صفدر ہمیشہ سے ہی چودھریوں کو سمجھاتے آئے ہیں مگر مجال ہے جو یہ بات ٹھوکر کھانے سے پہلے کسی کی سمجھ میں آگئی ہو۔

پولیس آفیسر کی یادوں سے ایک اور ناقابل فراموش واقعہ

مراد پور کے نامراد چودھری نے میرے اختیار کو للکارا تھا۔ الیاس گھمن خاصا وکھری ٹائپ کا چودھری تھا۔ اس کے بارے میں مجھے جو اطلاعات ملتی رہتی تھیں، ان کے مطابق الیاس گھمن ایک ظالم، جابر اور دھونس دھاندلی کا ماہر چودھری تھا۔ مراد پور کے وسنیک اس کی غیر نصابی حرکتوں سے عاجز اور ناخوش تھے لیکن کوئی اس کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا تھا چنانچہ اس کی چوری اور سینہ زوری کا کاروبار سرگرم تھا۔ میری معلومات کے مطابق وہ مجرموں کی پشت پناہی بھی کرتا تھا اور ڈاکوؤں کو پناہ بھی دیتا تھا۔ چودھری سے میرا براہِ راست واسطہ بشریٰ مرڈر کیس میں پڑا تھا اور پہلے ہی قدم پر الیاس گھمن نے میری تھانے داری کو چیلنج کر دیا تھا۔

ان دنوں میری تعیناتی ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے ایک مضافاتی تھانے میں تھی۔ موضع مراد پور میرے تھانے سے صرف ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا اور یہ گاؤں میرے تھانے کی حدود یعنی میری عمل داری میں آتا تھا۔ ایک روز میں حسبِ معمول تیار ہو کر تھانے پہنچا تو پتا چلا کہ مراد پور میں ایک عورت نے خودکشی کر لی ہے۔ میں نے اے ایس آئی نوید علی کو ساتھ لیا اور ہم ایک تانگے پر سوار ہو کر جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔

وہ ماہ مئی کا آغاز تھا۔ گرمی اپنے جوبن پر تھی۔ گندم کی فصل کی کٹائی ہو چکی تھی۔ مراد پور کے جس گھر میں عورت نے خودکشی کی تھی، وہ گاؤں کے آخری کنارے پر واقع تھا۔ میں وہاں پہنچتے ہی لاش کے معائنے میں مصروف ہوگیا۔

بشریٰ نامی اس عورت کی عمر پچیس سال کے آس پاس تھی۔ وہ درمیانے قد کی مالک ایک خوب صورت عورت تھی لیکن اس وقت وہ زندگی کی رعنائی سے محروم ہو چکی تھی۔ اس کی لاش چھت سے جھول رہی تھی۔ جی ہاں، بشریٰ نامی اس بدنصیب عورت نے چھت سے لٹک کر خودکشی کی تھی۔

یہ وہ تاثر تھا جو اس جھولتی ہوئی لاش کو دیکھ کر میرے

ذہن میں قائم ہوا تھا اور اس کا سبب وہ اطلاع تھی جسے سن کر میں تھانے سے یہاں پہنچا تھا لیکن یہ تاثر چند لمحات سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوسکا۔ میری چھٹی حس نے مجھے باخبر کردیا کہ بشریٰ نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔

اس گھر میں کُل تین کمرے تھے۔ ایک کمرا گھر کے سامنے والے حصے میں تھا جو بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دو کمرے پہلو بہ پہلو مکان کے عقبی حصے میں تعمیر کیے گئے تھے جن میں سے ایک بڑا کمرا رہائشی تھا جبکہ دوسرا بارہ ضرب بارہ فٹ کا چھوٹا کمرا اسٹور روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کمرے میں زراعت میں استعمال ہونے والے مختلف آلات اور دیگر کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا اور اسی کمرے کے شہتیر سے بشریٰ کی لاش لٹک رہی تھی۔ مجھے جس بات نے چونکنے پر مجبور کیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے......

مذکورہ اسٹور روم کی فرش سے چھت تک اونچائی کم وبیش ساڑھے دس فٹ تھی۔ بشریٰ کا قد سوا پانچ اور ساڑھے پانچ فٹ کے درمیان رہا ہوگا۔ شہتیر سے بشریٰ کی گردن تک رسّی کی لمبائی تقریباً دو فٹ تھی۔ متوفی بشریٰ کے جھولتے ہوئے پاؤں کے نیچے ایک چوبی اسٹینڈ رکھا دکھائی دیتا تھا۔ یہ اسٹینڈ پانی کے مٹکے رکھنے کے لیے استعمال ہوتا لیکن اس وقت مذکورہ اسٹینڈ پر مٹکے موجود نہیں تھے۔ اس اسٹینڈ کی اونچائی لگ بھگ دو فٹ تھی اور میرے لیے الجھن و حیرت کا باعث یہ امر تھا کہ متوفی کے پاؤں اور چوبی اسٹینڈ کے بیچ ایک فٹ کا خلا موجود تھا۔

نمبر ایک، متوفی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ چوبی اسٹینڈ کے اوپر کھڑے ہوکر چھت کے شہتیر کے ساتھ پھانسی کے لیے رسی باندھتی۔ کمرے میں ایسا کوئی دوسرا ذریعہ بھی نظر نہیں آرہا تھا کہ خیال کیا جاتا، متوفی نے اس ذریعے کے اوپر کھڑے ہوکر چھت تک رسائی حاصل کی ہوگی لہٰذا یہ بات طے ہوگئی کہ پھانسی کا یہ پھندا متوفی نے خود تیار نہیں کیا تھا۔

نمبر دو، اپنے ہاتھوں خود اپنی جان لینے والے افراد جب پھانسی کا ذریعہ اختیار کرتے ہیں تو وہ پھانسی کے پھندے کو اپنی گردن میں فٹ کرنے کے لیے کسی کرسی یا کسی میز یا کسی اسٹول یا اسی قسم کی کسی چیز کا استعمال کرتے ہیں اور موت کو گلے لگانے سے پہلے وہ پاؤں کی ٹھوکر سے اس چیز کو گرا دیتے ہیں تاکہ ان کا بدن پھندے پر لٹک سکے۔ ایسی صورت میں خودکشی کے خواہش مند انسان کے جسم کے بوجھ سے پھانسی کا پھندا گردن کو اس سختی سے اپنی گرفت میں جکڑ لیتا ہے کہ سانس کی آمدوشد کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں پاؤں کے نیچے سے کھڑے ہونے کا سہارا نکلتے ہی بدن کے بوجھ سے گردن کو ایسا خطرناک جھٹکا لگتا ہے کہ آن واحد میں اس بدنصیب کی روح قفس عنصری سے پرواز کرجاتی ہے۔ جائے وقوعہ پر نہ تو مٹکوں کا اسٹینڈ الٹا دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی کوئی اور ایسی شے نظر آتی تھی۔ یہ صورت حال بتاتی تھی کہ بشریٰ نے خود اپنی جان نہیں لی بلکہ اسے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت پھانسی دے دی گئی تھی۔

نمبر تین، اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ بشریٰ کو پہلے قتل کیا گیا ہو اور بعدازاں اس کی موت کو خودکشی کا رنگ دینے کے لیے اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہو۔ اس امکان میں مجھے زیادہ جان نظر آتی تھی۔ میں نے متوفی کے شوہر کی مدد سے اس کی لاش کو نیچے اتارا پھر اس کے ابتدائی معائنے میں مصروف ہوگیا۔

بدقسمت بشریٰ کے ہاتھ پاؤں، چہرے، سر اور جسم کے دیگر کھلے ہوئے حصوں پر مجھے کسی ایسی چوٹ یا زخم کا نشان نظر نہیں آیا جو اس کی موت کا سبب بن سکتا ہوتا ہم اس کے لباس کی بے ترتیبی سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی نوعیت کی زورزبردستی کی گئی تھی۔ میں اس کے کپڑوں کے نیچے بدن کو چیک نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی یہ جان سکتا تھا کہ کہیں اسے زہر دے کر تو موت کے گھاٹ نہیں اتارا گیا؟ میرے ان تمام تر سوالات کے جوابات پوسٹ مارٹم رپورٹ ہی دے سکتی تھی۔

میں نے اے ایس آئی سے کہا۔ ”نوید! تم بشریٰ کی لاش کو لے کر ضلعی اسپتال روانہ ہوجاؤ۔ میں موقع کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد تھانے آرہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے ملک صاحب۔“ وہ فرماں برداری سے بولا۔ ”میں یہ تانگا لے جاؤں یا لاش کو ڈسٹرک ہاسپٹل پہنچانے کے لیے کوئی اور بندوبست کروں؟“

”تم تانگا لے جاؤ۔“ میں نے کہا۔ ”میں کسی اور ذریعے سے واپس آجاؤں گا۔“

اے ایس آئی اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ میں متوفی کے شوہر اصغر علی کو لے کر گھر کے صحن میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ یہ کل دو افراد کا خاندان تھا یعنی متوفی بشریٰ اور اس کا خاوند اصغر علی...... لہٰذا سب سے پہلے مجھے اصغر علی ہی سے پوچھ گچھ کرنا تھی۔ جب کسی گھر میں صرف دو افراد رہائش پذیر ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی پراسرار موت واقع

ہوجائے تو دوسرے فرد کی ذات مثبت اور منفی دونوں زاویوں سے بہت زیادہ اہمیت اختیار کرجاتی ہے۔ موجودہ کیس بھی ایسی ہی حیثیت کا حامل تھا۔

اصغر علی کی عمر تیس کے قریب تھی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص تھا۔ اس کا قد اور جسامت آپس میں لگا نہیں کھاتے تھے چنانچہ اصغر علی کو اگر لم ڈھینگ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی شادی کو لگ بھگ تین سال ہوئے تھے لیکن ابھی تک ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اصغر علی ایک معمولی سازمیندار تھا۔ مراد پور میں اس کی آٹھ کلّے (ایکڑ) زرعی اراضی تھی۔ بیوی کی حسرت ناک موت نے اصغر علی کو بہت افسردہ کردیا تھا۔

قبل اس کے کہ میں اصغر سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کرتا، مجھے بتایا گیا کہ چودھری صاحب مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اطلاع دینے والے شخص کی مراد چودھری الیاس گھمن سے تھی۔ میں اصغر کو گھر کے اندر چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ چودھری الیاس گھمن مجھے اس تانگے کے نزدیک کھڑا نظر آیا جس پر سوار ہوکر ہم یہاں پہنچے تھے اور اے ایس آئی نوید اسی تانگے کے ذریعے بدبخت بشریٰ کی لاش کو ضلعی اسپتال پہنچانے والا تھا۔

چودھری اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو تین ہٹے کٹے نمک خوار بھی دکھائی دے رہے تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد چودھری مجھے ایک طرف لے گیا اور بڑے گمبھیر انداز میں بولا۔ اس کے لہجے میں خاصی بیزاری پائی جاتی تھی۔

''ملک صاحب! یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ میں جانتا تھا، کبھی نہ کبھی اصغر کی غیرت ضرور جاگے گی۔ شریف بندہ ہے۔ جب تک ممکن ہوا اس نے برداشت کیا۔ جب ہمت جواب دے گئی تو...... آہ! بشریٰ کا یہی انجام ہونا تھا......''

چودھری کی باتوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چودھری صاحب! آپ کی باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر گئی ہیں۔ میرے کچھ پلے نہیں پڑا۔ جو بھی کہنا ہے، کھل کر کہیں۔''

''ملک صاحب! بشریٰ کوئی اچھے کردار کی عورت نہیں تھی۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''اصغر علی بہت ہی سیدھا آدمی ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی نظرانداز کرتا رہا مگر مجھے تو یہ خودکشی کا واقعہ نہیں لگتا۔ آپ کا مشاہدہ کیا کہتا ہے؟''

''میں آپ کے خیال سے اتفاق کرتا ہوں چودھری صاحب۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرے اندازے کے مطابق بشریٰ کو قتل کرنے کے بعد پھانسی پر لٹکایا گیا ہے۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے۔ مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ یہ کام اصغر کے سوا کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔''

''ہوں......'' میں نے سوچتی ہوئی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''جو بھی ہے، پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کھل کر سامنے آجائے گا۔''

''آپ موقع کی کارروائی ضرور کریں اور ابتدائی تفتیش میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔'' وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں سمجھتا ہوں، بشریٰ کی لاش کی چیر پھاڑ کی ضرورت نہیں۔ آپ رسمی سی کارروائی کرکے لاش اصغر کے حوالے کردیں۔ یہ بے چارہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔ پوسٹ مارٹم کے بعد ذلت ورسوائی کی جو کہانیاں منظرعام پر آئیں گی، وہ اصغر کو جیتے جی مار ڈالیں گی۔ بشریٰ نے تو خودکشی نہیں کی لیکن مجھے یقین ہے کہ بدنامی کے بوجھ تلے دب کر اصغر ضرور اپنی جان سے کھیل جائے گا۔''

''آپ بھی میری طرح ہی سوچتے ہیں کہ بشریٰ نے خودکشی نہیں کی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بلکہ آپ کی سوچ مجھ سے دس ہاتھ آگے ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ اس کی موت میں اصغر کا ہاتھ ہے۔ قاتل چاہے کتنا بھی دکھی، مجبور اور لاچار کیوں نہ ہو، میں اس کے جرم کی پردہ پوشی نہیں کرسکتا لہٰذا بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم تو لازمی ہوگا اور اگر اصغر اپنی بیوی کی موت کا ذمے دار ہے تو اسے قرار واقعی سزا بھی ملے گی۔''

وہ چند لمحات تک متذبذب نظر سے مجھے تکتا رہا پھر قدرے خفگی بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ میری بات سمجھ نہیں رہے......''

''میں سب سمجھ رہا ہوں چودھری صاحب۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''میں اس ڈیپارٹمنٹ میں کوئی نیا نہیں آیا ہوں۔ میں اپنے کام کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کس قسم کی صورتِ حال میں مجھے کون سا قدم اٹھانا چاہیے۔ اس بات کو تو آپ اپنے ذہن سے نکال دیں کہ میں بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے سے باز آجاؤں گا۔''

میرے اٹل انداز نے اسے گہری سوچ میں ڈال دیا۔ چند لمحات تک وہ مجھے ٹٹولتی ہوئی نظر سے گھورتا رہا پھر مصلحت آمیز لہجے میں بولا۔ ''آپ موقع کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد میری حویلی پر تشریف لائیں۔ مجھے آپ

سے بہت سی ضروری باتیں کرنا ہیں پھر ساری صورتِ حال آپ اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔''

اس امر میں تو کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ چودھری الیاس گھمن بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم رکوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چودھری کی جو شہرت مجھ تک پہنچی تھی اس کی روشنی میں، میں غلطی سے بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کے دل میں اصغر علی کے لیے ہمدردی کے جذبات کے دریا بہہ رہے ہوں گے یقیناً اس کوشش میں اس کا کوئی ذاتی مفاد چھپا ہوا تھا۔

''ضرور چودھری صاحب'' میں نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہا۔ ''میں ادھر سے فارغ ہوتے ہی سیدھا آپ کی حویلی آؤں گا۔''

وہ واپس اپنے حواریوں کی جانب بڑھ گیا۔ نوید علی کو میں نے ہدایات دیں۔ ''لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال پہنچانا ہے۔''

''بس جناب، میں لاش کو تانگے پر رکھوا رہا ہوں۔'' وہ چاق وچوبند لہجے میں بولا۔ ''سمجھیں، میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔''

''دس منٹ میں نہیں۔'' میں نے چودھری الیاس گھمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک یہ لوگ نگاہ سے اوجھل نہیں ہو جاتے، تم ایسا ظاہر کرنا جیسے تمہارا لاش اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے یعنی چودھری الیاس گھمن کو یہ تاثر ملنا چاہیے کہ میں نے لاش کے پوسٹ مارٹم کا پروگرام کینسل کر دیا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''اچھی طرح سمجھ گیا ملک صاحب۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ بے فکر ہو کر اپنا کام نمٹائیں۔ میں بڑی صفائی سے متوفی کی لاش کو اسپتال پہنچا دوں گا۔''

میں مطمئن ہو کر اصغر علی کے پاس آ گیا۔ اس دوران میں اصغر نے صحن میں درخت کی چھاؤں میں بچھی چارپائی کے نزدیک ہی میرے لیے ایک کرسی رکھ دی تھی۔ میں نے مذکورہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

''اصغر علی! مجھے تمہاری بیوی کی موت کا بہت دکھ ہے۔ میرا تم سے یہ وعدہ ہے کہ میں بہت جلد بشریٰ کے قاتل کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دوں گا۔''

''قاتل کو......'' اس نے حیرت بھری الجھن سے مجھے دیکھا اور بے حد پریشان لہجے میں بولا۔ ''تھانے دار صاحب! بشریٰ نے تو خودکشی کی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں، اس نے چھت سے لٹک کر اپنی جان دے دی ہے۔''

مجھے اصغر کی بے وقوفی نما سادگی کا یقین آ گیا۔ جو اہم بات میں نے اور الیاس گھمن نے لاش کو ایک نظر دیکھتے ہی بھانپ لی تھی وہ اس بدھو اصغر کی سمجھ میں بالکل نہیں بیٹھی تھی۔ وہ میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا حیران اور پریشان صورت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے نرمی بھرے انداز میں چارپائی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ پھر بات کرتے ہیں۔''

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی پھر سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ بشریٰ نے خودکشی کی ہے تو تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھایا۔ ''میرا پیشہ ورانہ تجربہ یہ کہتا ہے کہ تمہاری بیوی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد پھانسی دی گئی ہے تاکہ تاثر یہی ابھرے کہ بشریٰ نے خودکشی کی ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میرے اس اندازے کی تصدیق کر دے گی۔ کل شام تک دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

اس کے چہرے پر خدشات اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ بے یقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن...... بشریٰ نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ کوئی اسے کیوں قتل کرے گا؟''

''یہ دونوں سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہئیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

''مجھ سے کیوں تھانے دار صاحب......؟'' وہ فکرمندی سے بولا۔

''تم سے اس لیے کہ بشریٰ تمہاری بیوی تھی۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اس گھر میں کوئی درجن بھر افراد تو رہائش پذیر ہیں نہیں جو میں ایک ایک سے پوچھ پرتیت کرتا پھروں۔''

''میں سوہنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں تھانے دار صاحب۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولا۔ ''میں بشریٰ کی موت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''لیکن میں تمہاری بات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔'' میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں ہرگز یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ ایک چھت کے نیچے دو افراد رہ رہے ہوں، ان میں سے ایک کو

موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد پھانسی پر لٹکا دیا جائے اور دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہو......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ٹٹولتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا پھر سنسناتے ہوئے لہجے میں اضافہ کیا۔

''اصغر علی! ابھی تو میں بڑے پیار اور بڑی شرافت کے ساتھ تم سے پوچھ گچھ کر رہا ہوں، لہٰذا جو بھی حقیقت ہے، مجھے صاف صاف بتا دو۔ اگر میں سختی پر اتر آیا تو تمہارے لیے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں تھانے دار صاحب۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔'' وہ رونی صورت بنا کر بولا۔ ''بشریٰ کے ساتھ پچھلی رات کیا واقعہ پیش آیا، مجھے اس کی مطلق خبر نہیں ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......! تمہیں بشریٰ کو پیش آنے والے سنگین حالات کی خبر کیوں نہ ہوئی؟'' میں نے تیز نظر سے اسے گھورا۔ ''گھر میں اتنا بڑا واقعہ رونما ہو گیا اور تم گدھے گھوڑے بیچ کر غفلت کی نیند سوتے رہے۔''

''جناب! میں تو پچھلی رات گھر میں تھا ہی نہیں۔'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ ''مجھے تو خود آج صبح بشریٰ کی موت کا پتا چلا ہے اور میں ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس نے چھت سے لٹک کر خودکشی کی ہے۔''

میں نے فروعی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نہایت ہی اہم سوال کیا۔ ''تو کیا گزشتہ رات تمہاری بیوی گھر میں اکیلی ہی تھی؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''تم پچھلی رات کہاں تھے؟''

''میں فرید نگر گیا ہوا تھا۔'' اس نے بتایا۔

موضع فرید نگر، مراد پور سے دس میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں تھا۔ میں نے اصغر سے استفسار کیا۔

''تم فرید نگر کیا لینے گئے تھے؟''

''وہاں پر میرا ایک دوست ہے...... مہر سلیم۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس سے کچھ رقم لینا تھی۔ ارادہ یہی تھا کہ رات کو واپس آجاؤں گا لیکن مہر سلیم نے مجھے زبردستی اپنے پاس روک لیا اور آج صبح جیسے ہی ہلکا سا اجالا ہوا، میں فرید نگر سے نکل آیا اور یہاں آکر......'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔ چند لمحات کے توقف کے بعد وہ ادھوری بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ میری غیر موجودگی میں بشریٰ کے ساتھ اتنا بڑا واقعہ پیش آجائے گا۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ جب میں فرید نگر سے لوٹوں گا تو اپنی بیوی کی جھولتی ہوئی لاش سے میرا سامنا ہوگا۔''

ان لمحات میں میرے ذہن میں الیاس گھسن کے کہے ہوئے الفاظ گردش کر رہے تھے۔ الیاس گھسن کا خیال تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ بشریٰ کی موت میں اصغر کا ہاتھ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ بشریٰ کا چال چلن ٹھیک نہیں تھا اور اصغر نے غیرت میں آکر اپنی بیوی کا کام تمام کر دیا۔

اگرچہ میں نے الیاس گھسن کی بات پر من و عن بھروسا نہیں کیا تھا لیکن ان امکانات کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا تھا۔

''تم یہ نہیں سمجھنا کہ میں آنکھیں بند کر کے تمہاری سنائی ہوئی کہانی کو سچ مان لوں گا۔'' میں نے کڑی نظر سے اصغر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنے کسی خاص بندے کو فرید نگر بھیج کر مہر سلیم سے تمہارے بیان کے ایک ایک حصے کی تصدیق کروں گا۔''

''آپ ضرور تصدیق کریں تھانے دار صاحب۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''میں نے آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ مہر سلیم آپ کو بتائے گا کہ اس نے ضد کر کے مجھے اپنے پاس روک لیا تھا۔ آپ کو اس بات کا ثبوت مل جائے گا کہ پچھلی رات میں نے فرید نگر میں مہر سلیم کے ساتھ گزاری ہے۔''

اسی لمحے اے ایس آئی نوید علی میرے پاس آیا اور آنکھوں کے اشارے سے بتایا کہ وہ بشریٰ کی لاش کو ضلعی اسپتال لے کر جا رہا ہے۔ میں نے بھی جواباً اشارے ہی سے اسے جانے کی اجازت دے دی پھر اصغر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے مہر سلیم سے کتنی رقم لینا تھی؟''

''دو ہزار روپے۔'' اس نے بتایا۔ ''مہر سلیم نے گندم کی کٹائی کے بعد رقم کی واپسی کا وعدہ کر رکھا تھا اسی لیے میں کل رقم کی وصولی کے لیے فرید نگر گیا تھا۔''

''کیا مہر سلیم نے وہ رقم واپس کر دی؟''

''جی......'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کیا اس وقت رقم تمہارے پاس ہے؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''مجھے دکھاؤ۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

آئندہ ایک منٹ کے اندر اس نے میرے حکم کی تعمیل کر دی۔ اصغر علی نے دو ہزار روپے کی رقم کو تین چار جگہ پر تقسیم کر کے اپنے لباس کی مختلف جیبوں میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے رقم کو ایک جگہ جمع کر کے گنا اور میری طرف

بڑھاتے ہوئے بولا۔
''آپ بھی گن کر اپنی تسلی کر لیں۔''
''تمہارے ہاتھوں اور میری نگاہ نے ایک ساتھ دو ہزار روپے گنے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس رقم کو تم اپنے پاس محفوظ کر لو اور مجھے بتاؤ کہ تم فرید نگر کس ذریعے سے گئے تھے؟''
''اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جی۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''اور اسی گھوڑے پر واپس بھی آیا ہوں۔''
''کیا ادھر مراد پور میں تمہاری یا بشریٰ کی کسی سے کوئی دشمنی وغیرہ ہے؟''
''بالکل نہیں جناب۔'' وہ قطعی انداز میں بولا۔
میں نے ایک نازک پہلو کو چھیڑتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں اپنی بیوی سے کسی قسم کی کوئی خاص شکایت تھی؟''
چند لمحے تذبذب کا شکار رہنے کے بعد اس نے گول مول جواب دیا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ کو تو پتا ہی ہے کہ میاں بیوی کے بیچ تھوڑی بہت نوک جھوک کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔''
''میں معمولی نوک جھوک کی بات نہیں کر رہا۔'' میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
''پھر... پھر...؟'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے تکنے لگا۔
''کوئی ایسی شکایت جسے سن کر مرد کا خون کھول اٹھے۔'' میں نے اپنے استفسار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''شوہر کو ایسا محسوس ہو کہ بیوی نے اس کی ناک کٹوا دی ہے، اس کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے اور...... پھر طیش میں آ کر شوہر کوئی بھی انتہائی سنگین قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے اور...... وہ اپنی بیوی کی جان لینے سے بھی دریغ نہ کرے۔''
''مجھے بشریٰ سے ایسی کوئی شکایت نہیں تھی۔'' وہ ایک افسردہ سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''حالانکہ میں نے بعض لوگوں کو اشاروں کنایوں میں اس کے کردار پر انگلیاں اٹھاتے دیکھا تھا لیکن میں نے کبھی ایسی باتوں پر یقین نہیں کیا۔ مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ بشریٰ نے کبھی مجھ سے بے وفائی نہیں کی اور جہاں تک لوگوں کی... چہ میگوئیوں کی بات ہے تو......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے مضمحل نظر سے مجھے دیکھا اور گہری سنجیدگی سے بولا۔
''پیٹھ پیچھے تو لوگ بادشاہوں کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔''
''تمہاری بات میں وزن ہے اصغر علی۔'' میں نے تصدیقی انداز میں کہا۔
ابھی تک اصغر سے میری جتنی بھی گفتگو ہوئی تھی، اس کی روشنی میں میرا پیشہ ورانہ تجربہ یہ کہتا تھا کہ وہ ایک سادہ دل انسان تھا۔ اگر کسی بھی حوالے سے بشریٰ کی موت میں اس کا ہاتھ ہوتا تو میں کہیں نہ کہیں اس کے رویے یا ردعمل سے ضرور بھانپ لیتا۔ مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اس نے استفسار کیا۔
''تھانے دار صاحب! بشریٰ کو پیش آنے والے واقعے کے حوالے سے کہیں آپ مجھ پر تو شک نہیں کر رہے......؟''
''اصغر علی! تمہارے سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے...... ہاں!'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں جس محکمے سے تعلق رکھتا ہوں وہاں کسی بھی معاملے کی تفتیش کے لیے ''شک'' کی بڑی اہمیت ہے۔ جب تک بشریٰ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ نہیں آ جاتی، تمہاری ذات شک کے دائرے کے اندر ہی رہے گی اور اگر یہ رپورٹ تمہارے خلاف جاتی ہوئی نظر آئی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں سزا سے نہیں بچا سکے گی۔''
''میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھانے دار صاحب۔'' وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔ ''لہٰذا میرے دل میں کسی بھی قسم کا ڈر خوف نہیں ہے۔ اللہ میرے حق میں بہتر کرے گا۔''
''اللہ تو ہمیشہ بہتر ہی کرتا ہے اصغر علی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
وہ بے تاثر نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔ ''یہ الیاس گھمن کیسا بندہ ہے؟''
''وہ ہمارے گاؤں کے چودھری صاحب ہیں جناب۔'' وہ بے حد محتاط لہجے میں بولا۔
''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ الیاس گھمن موضع مراد پور کا چودھری ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ اس پنڈ میں بسنے والے لوگوں کا آقا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''
''میں کیا جواب دوں تھانے دار صاحب۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''چودھری صاحب ہم سب کے مالک ہیں۔ وہ ہمارے بڑے ہیں۔ ہم ان کے سامنے کیسے کچھ بول سکتے ہیں......''
''سب کا مالک تو وہ ذات پاک ہے جو کُل کائنات کا خالق اور ہر ذی روح کا رازق ہے۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''ویسے تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔''
''کیسی خوش خبری تھانے دار صاحب؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''جس الیاس گھمن کو تم اس گاؤں کا مالک سمجھ رہے ہو، اس کے دل میں تمہارے لیے بڑی ہمدردی پائی جاتی ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے تمہارے گھر کے باہر چودھری سے میری بات چیت ہوئی ہے۔ مجھے وہ تمہارے لیے خاصا فکرمند نظر آیا ہے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ایسا کوئی بھی قدم نہ اٹھاؤں جس سے تمہارے لیے کوئی مشکل کھڑی ہوجائے۔''

میں نے اشاروں کنایوں میں اصغر علی سے کچھ اگلوانے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ حد سے زیادہ سیدھا ہے۔ اس نے میرے استفسار کے جواب میں دھیرے سے کہا۔

''یہ تو چودھری صاحب کی مہربانی ہے جناب......!''

میں مزید تھوڑی دیر اصغر علی کے پاس بیٹھ کر اسے کھنگالنے کی کوشش کرتا رہا کہ شاید مجھے کوئی ایسا اشارہ مل جائے جس سے میں بشریٰ کی موت کا معما حل کرسکوں لیکن سرِدست مجھے اس کوشش میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ میں نے اصغر کو ضروری ہدایات دیں اور اس کے گھر سے نکل آیا۔

اصغر علی کے گھر کے سامنے ایک تانگا تیار کھڑا تھا۔ مجھے گھر سے باہر نکلتے دیکھا تو اس تانگے کا کوچوان تیزی سے چلتے ہوئے میرے نزدیک آگیا اور بڑے ادب سے بولا۔

''تھانے دار صاحب! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ کے اے ایس آئی صاحب نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں آپ کو تھانے پہنچادوں۔''

چودھری الیاس گھمن نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں جائے وقوعہ کی کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد اس کی حویلی جاؤں۔ وہ اس واقعے کے حوالے سے مجھ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن میرا اس کی حویلی پر جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا لہٰذا میں تانگے پر سوار ہوکر تھانے کی سمت روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

چودھری الیاس گھمن نے بڑے واضح انداز میں مجھے بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے سے منع کیا تھا۔ اس کے پیچھے اس کا کون سا مقصد کارفرما تھا، اس بارے میں فی الحال مجھے کوئی درست اندازہ نہیں تھا۔ میں نے چودھری سے ہونے والی گفتگو سے جو نتیجہ اخذ کیا یا یوں سمجھ لیں کہ میں نے اس کی باتوں سے جو تاثر لیا، وہ یہ تھا کہ چودھری اصغر علی سے گہری ہمدردی جتانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ متوفی بشریٰ کے لیے چودھری کے ہر انداز سے خفگی اور ناپسندیدگی جھلکتی تھی۔ میں نے سرِدست یہی فیصلہ کیا تھا کہ پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ آنے کے بعد ہی میں الیاس گھمن سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔

تھانے میں آنے کے بعد میں روزمرہ کے کاموں میں اس قدر مصروف ہوگیا تھا کہ مجھے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ جب میں تھانے پہنچا تو اس وقت ظہر کی اذان ہو رہی تھی۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق تب تک نوید علی کو اسپتال سے واپس آجانا چاہیے تھا مگر وہ مجھے تھانے میں کہیں نظر نہیں آیا تھا پھر میں کام میں لگ گیا تھا۔ لگ بھگ عصر کے وقت مجھے تشویش نے گھیر لیا کیونکہ ابھی تک اے ایس آئی کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔

مراد پور سے میرے تھانے کا فاصلہ صرف ایک میل تھا اور تھانے سے سرکاری اسپتال محض آدھے میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اسپتال میں چاہے کتنی بھی دیر لگتی، ہر حال میں نوید کو اب تک تھانے پہنچ جانا چاہیے تھا مگر اس کا دور دور تک کچھ پتا نہیں تھا۔

اس صورتِ حال میں، میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے فوراً دو ہوشیار قسم کے پولیس اہلکاروں کو سرکاری اسپتال کی سمت دوڑا دیا تاکہ وہ اے ایس آئی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کریں۔ نوید علی سے میں کسی غفلت اور کوتاہی کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار پولیس اہلکار اور میرے بھروسے کا بندہ تھا۔

آدھا میل کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔ وہ دونوں اہلکار گھوڑوں کو سرپٹ بھگاتے ہوئے تھانے سے روانہ ہوئے تھے اور واپسی کا سفر بھی انہوں نے ایسی ہی تیز رفتاری سے طے کیا تھا۔ وہ دونوں شام سے پہلے میرے سامنے موجود تھے۔

ان کے اترے ہوئے چہروں نے میری تشویش میں کئی گنا اضافہ کردیا تھا۔ میں نے باری باری ان کی لٹکی ہوئی صورتوں کا جائزہ لیا اور سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

''نوید علی کی کیا خبر ہے؟''

بولنے سے پہلے انہوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے گمبھیر انداز میں بتایا۔

''ملک صاحب! کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔''

''بجھارتیں نہیں ڈالو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''مجھے کھل کر بتاؤ، اے ایس آئی کے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''اسپتال سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق نوید علی وہاں پہنچا ہی نہیں۔'' دوسرے کانسٹیبل نے جواب دیا۔

''نوید اسپتال نہیں پہنچا......کیا مطلب؟'' کانسٹیبل کی فراہم کردہ اطلاع نے مجھے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو......ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟''

''ایسا ہی ہوا ہے ملک صاحب۔'' پہلے والے کانسٹیبل نے قدرے زور دے کر کہا۔ ''یہی حقیقت ہے کہ اے ایس آئی نوید اسپتال نہیں پہنچا۔ وہ لوگ ہم سے بھلا غلط بیانی کیوں کریں گے۔''

''اگر نوید اسپتال نہیں پہنچا تو پھر کہاں چلا گیا......؟'' میں کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ''اور بشریٰ کی لاش کا کیا ہوا......؟''

''ملک صاحب! اسپتال کے ریکارڈ کے مطابق آج کی تاریخ میں کسی بھی لاش کو وہاں نہیں پہنچایا گیا۔'' مجھے بتایا گیا۔ ''نوید علی، کوچوان امیر بخش اور بشریٰ کی لاش کا کوئی اتا پتا ہے اور نہ ہی اس تانگے کا کوئی سراغ جس پر نوید بشریٰ کی لاش کو مراد پور سے سرکاری اسپتال پہنچانے والا تھا۔''

میری پوری پیشہ ورانہ زندگی میں ایسا واقعہ پہلے کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ میرا ذہن برق رفتاری سے اپنے اے ایس آئی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک چہرہ میری نگاہ کے سامنے گھوم گیا اور ...... وہ چہرہ تھا، مراد پور کے چودھری الیاس گھمن کا۔

چودھری اس بات کے حق میں نہیں تھا کہ میں بشریٰ کا پوسٹ مارٹم کراؤں۔ اس نے بڑے واضح الفاظ میں مجھے اس کام سے باز رہنے کی تاکید کی تھی۔ اس تناظر میں میرے ذہن میں یہ خیال چمکا......کہیں اے ایس آئی کی گمشدگی میں الیاس گھمن کا ہاتھ تو نہیں؟

میری اطلاعات کے مطابق الیاس گھمن جس قماش کا آدمی تھا، اس سے کسی بھی گھٹیا حرکت کی توقع کی جاسکتی تھی۔ میں نے فیض احمد حوالدار کو ساتھ لیا اور ہم ایک تانگے پر سوار ہوکر مراد پور کی جانب روانہ ہوگئے۔ مجھے امید تھی کہ یہ پراسرار گمشدگی میرے تھانے اور مراد پور کے بیچ ہی کہیں ہوئی ہوگی کیونکہ تھانے اور اسپتال کے درمیان کا آدھا میل کا ٹکڑا خاصا بارونق اور مصروف تھا۔ اس سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ اگر یہاں پر کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو وہ چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

جبکہ تھانے اور مراد پور کے درمیان حائل ایک میل کے فاصلے کی کیفیت بالکل مختلف تھی۔ ایک تو یہ کچا راستہ تھا جو کھیتوں کے بیچوں بیچ گزرتا تھا پھر اس ایک میل کے ٹکڑے کا ایک حصہ جنگل سے بھی ملتا تھا۔ اغلب امکان اسی بات کا تھا کہ اے ایس آئی والا تانگا اسی علاقے میں کہیں غائب ہوا ہوگا۔

میں نے ادھر کا رخ کرنے سے پہلے ہر نوعیت کی ضروری تیاری کرلی تھی۔ شام ہونے والی تھی اور اس کے بعد رات کو آنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا اور رات اپنے ساتھ تاریکی بھی ضرور لاتی ہے۔ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے دو طاقتور ٹارچز بھی ساتھ رکھ لی تھیں تاکہ اگر اے ایس آئی اینڈ کمپنی کی تلاش میں ہمیں دیر بھی ہوجائے تو ہم ان ٹارچز کو روشن کرکے اندھیرے کا سینہ چیر کر اپنا کام پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

فیض احمد کو میں نے الیاس گھمن سے ہونے والی باتوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''ملک صاحب! مجھے تو لگتا ہے، یہ چودھری کی شرارت ہے۔ الیاس گھمن نہیں چاہتا تھا کہ بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہو۔''

''تمہیں تو صرف لگتا ہے اور ...... مجھے یقین ہے فیض احمد!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''چودھری کو بالکل بھی اندازہ نہیں کہ اس نے کہاں سینگ پھنسائے ہیں۔ یہ شرارت اسے بہت مہنگی پڑے گی۔''

''اگر آپ کو یقین ہے کہ یہ سب چودھری کا کیا دھرا ہے تو پھر ہم سیدھا اسی کی حویلی چلتے ہیں۔'' حوالدار نے تجویز دی۔ ''بلی خود ہی تھیلے سے باہر آجائے گی۔''

''فیض احمد! یہ بڑی چال باز بلی ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اس نے تھیلے میں گھستے ہی بچے دے دیے ہیں۔ اسے تھیلے سے نکالنا اتنا آسان ثابت نہیں ہوگا جتنا تم سمجھ رہے ہو۔''

''پھر کیا کریں ملک صاحب؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہاں تانگا روک لو۔''

اس تانگے میں صرف ہم دو افراد ہی تھے۔ حوالدار فیض احمد میری معاونت کے علاوہ کوچوان کی ڈیوٹی بھی دے رہا تھا۔ ہم نے اپنے ساتھ بھیڑ بھاڑ جمع کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کسی زمانے میں فیض احمد تانگا چلایا کرتا تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب اس نے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو جوائن نہیں کیا تھا۔ فیض احمد کی تعلیم تو واجبی سی تھی لیکن وہ اپنی ذہانت اور محنت کے بل پر ترقی کرکے حوالدار کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ ذہانت کا تعلق تعلیم سے ہرگز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بے ڈگری کے تمام انسان یا تو بھوکے مر جاتے یا پھر انہیں غلام بنالیا جاتا۔

حوالدار نے میرے حکم کی تعمیل میں ایک جگہ تانگا روک دیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے کچا راستہ جنگل کو چھوتا ہوا نکلتا تھا۔ کوئی نادیدہ قوت میرے اندر چیخ چیخ کر یہ اشارہ دے رہی تھی کہ نوید علی کی تلاش میں مجھے سب سے پہلے جنگل کو چیک کرنا چاہیے۔ آپ اسے میری چھٹی حس یا وجدان یا غیبی مدد بھی کہہ سکتے ہیں۔

''فی الحال ہم اس جنگل کے اندر جا رہے ہیں۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''جہاں تک تانگا آسانی سے جاسکتا ہے، تم اسے چلاتے رہو۔ اس کے بعد ہم پیدل چلتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھیں گے اور اگر ہمیں اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، تب ہم چودھری کی حویلی کا رخ کریں گے۔ میری بات سمجھ میں آرہی ہے نا؟''

''جی ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی پلاننگ کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔''

جنگل کے اندر تانگا زیادہ آگے تک نہ جاسکا لہٰذا فیض احمد نے تانگے کو ایک موٹے تنے والے درخت کے ساتھ ''پارک'' کیا اور ہم محتاط قدموں سے آگے بڑھنے لگے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا لیکن جنگل کے اندرونی حصے میں گھنے درختوں کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے رات نے اپنی سیاہ زلفیں کھول دی ہوں تاہم ابھی اس قدر اجالا تھا کہ ٹارچز آن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہورہی تھی۔

آئندہ آدھے گھنٹے میں ہم نے عقل، اپنی ہمت اور اپنی ٹارچز کی مدد سے جنگل کے اندر اے ایس آئی نوید علی اینڈ کمپنی کی تلاش میں جو جو اقدام اٹھائے، ان کی تفصیل بیان کرنے بیٹھا تو یہ کہانی پھیل کر لمبی ہوجائے گی مختصراً یہ کہ ہم نے اس مشن میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔

نوید علی اور کوچوان امیر بخش زخموں سے چور جنگل کے اندرونی حصے میں مل گئے۔ وہ دونوں زندہ تھے لیکن نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے۔ تانگے اور بشریٰ کی لاش کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ اغلب امکان یہی تھا کہ جن لوگوں نے انہیں اس حال کو پہنچایا تھا وہ تانگے اور بشریٰ کی لاش کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ گویا میرے اندازے کے عین مطابق، یہ ہنگامی کارروائی صرف اور صرف بشریٰ کی لاش کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ مقصد واضح تھا کہ وہ لوگ بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں چاہتے تھے اور میری معلومات کے مطابق یہ خواہش الیاس گھمن کی تھی۔ اب اس امر میں کسی شک وشبہے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی کہ اے ایس آئی اینڈ کمپنی کو پیش آنے والے افسوس ناک واقعے کے پیچھے چودھری الیاس گھمن کا ہاتھ تھا۔

مضروب نوید علی اور امیر بخش کی حالت ایسی نہیں تھی کہ میں ان سے کسی قسم کے سوال وجواب کرتا لہٰذا ہم نے ان دونوں کو اٹھا کر تانگے میں ڈالا اور پہلی فرصت میں ضلعی اسپتال پہنچادیا۔ اسی اسپتال میں جہاں آج دن میں نوید علی، بشریٰ کی لاش کو پہنچانے والا تھا۔ قسمت کی ستم ظریفی کہ بشریٰ کی لاش کا کوئی اتا پتا نہیں تھا اور نوید اپنی ٹریٹمنٹ کے لیے اسی اسپتال پہنچ گیا تھا۔

متاثرہ دونوں افراد کو باقاعدہ ہوش وحواس میں آنے میں تین گھنٹے لگ گئے۔ نصف شب کے بعد ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔ ''دونوں بندے خطرے سے باہر ہیں لیکن بہتر یہی ہوگا کہ انہیں تھوڑا آرام کرنے دیا جائے۔ آپ نے ان سے جو کچھ بھی پوچھنا ہے، آپ صبح آکر پوچھ لیجیے گا۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔'' میں نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔ ''میں آپ کی ہدایت کو ذہن میں رکھوں گا۔'' میں نوید علی سے بہت کچھ پوچھنے کے لیے بے قرار ہورہا تھا لہٰذا میں نے رات کا باقی حصہ اسپتال ہی میں رکنے کا فیصلہ کیا اور حوالدار سے کہا۔

''فیض احمد! تم تھانے جاؤ اور تھوڑا آرام کرلو۔ کل کا دن بہت لمبا ہونے والا ہے۔''

''اور آپ؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''میں اس وقت تک اسپتال ہی میں رکوں گا جب تک نوید یا کوچوان کی زبان سے یہ معلوم نہیں ہوجاتا کہ ادھر جنگل کے قریب ان لوگوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا اور اس سانحے کا ذمے دار کون ہے۔''

''میں سمجھ گیا ملک صاحب۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''اور جب میں تھانے پہنچوں تو تمہیں ایک دم ریڈ الرٹ پاؤں۔ ہوسکتا ہے، ہمیں کسی فوری کارروائی کے لیے مراد پور کا رخ کرنا پڑے۔''

میں نے تعریفی کلمات کے ساتھ اسے رخصت کردیا۔

آئندہ دو گھنٹے میں نے بڑی بے چینی سے گزارے پھر میری مراد بر آئی۔ اے ایس آئی اور کوچوان کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ میں ان سے بات چیت کرسکتا تھا۔ لگ بھگ آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد میں نے ان دونوں کی زبانی جو معلومات اکٹھا کیں، اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

وہ لوگ تانگے میں بشریٰ کی لاش ڈالے مراد پور سے اسپتال کی جانب رواں دواں تھے کہ جنگل کے نزدیک کچے

راستے پر سامنے سے ایک گھڑسوار ان کے قریب آیا اور انہیں رکنے کے لیے کہا۔ اس گھڑسوار نے ایسا تاثر دیا تھا جیسے وہ کوئی راہ بھٹکا ہوا مسافر ہو اور ان سے راستہ پوچھنا چاہ رہا ہو۔ نوید کے کہنے پر کوچوان نے تانگا روک دیا۔ گھڑسوار نے پوچھا۔

''مراد پور یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ آدھا میل۔'' کوچوان امیر بخش نے جواب دیا۔ ''بس، سیدھے آگے بڑھتے رہو۔ دس، پندرہ منٹ میں تم مراد پور پہنچ جاؤ گے۔''

گھڑسوار ان کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ امیر بخش نے لگام کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو ''اسٹارٹ'' کرنے کی کوشش کی لیکن قبل اس کے کہ تانگے کے آگے جتا ہوا گھوڑا ایک قدم بھی اٹھاتا، یکایک جنگل کے اندر سے چار پانچ لٹھ بردار افراد نمودار ہوئے۔ انہوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور ان کی حرکات وسکنات سے برق پھرتی جھلکتی تھی۔ ان لٹھ بردار افراد نے نوید علی اور امیر بخش کو کچھ بھی سوچنے کی مہلت نہ دی۔ اس سے پہلے کہ یہ لوگ صورتِ حال کو سمجھ پاتے، حملہ آور چاروں جانب سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہ افتاد اتنی اچانک ٹوٹی تھی کہ نوید علی اور امیر بخش کو زخمی ہو کر بے ہوش ہونے میں چند منٹ ہی لگے ہوں گے۔

''اس کارروائی کے بعد یقیناً ان لوگوں نے آپ دونوں کو اٹھا کر جنگل کے اندرونی حصے میں پھینکا ہوگا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور بشریٰ کی لاش سمیت تانگے کو لے کر وہاں سے غائب ہو گئے ہوں گے......''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' نوید علی نے کہا۔ ''سر پر لگنے والی لاٹھی نے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا۔ مجھے اسپتال پہنچنے کے بعد ہوش آیا ہے۔''

''ادھر جنگل میں آپ لوگ جب ہمیں اٹھا کر تانگے میں ڈال رہے تھے تو مجھے خواب کے مانند احساس ہے۔'' امیر بخش نے بتایا۔ ''یوں سمجھ لیں کہ میں بے ہوشی کی کیفیت سے نکل کر نیم بے ہوشی کی حالت میں آچکا تھا۔ مجھے یہ تو ہلکا سا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی مجھے اٹھا کر کہیں لے جا رہا ہے۔ کون؟...... اور...... کہاں کہیں؟ کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا تھا۔''

''جس گھڑسوار نے راستہ پوچھنے کے بہانے تمہارے تانگے کو رکوایا تھا، وہ یقیناً انہی حملہ آور ڈھاٹا پوش لٹھ بردار افراد کا ساتھی تھا۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''کیا اس نے بھی ڈھاٹا باندھ رکھا تھا؟''

''نہیں ملک صاحب۔'' نوید نے بتایا۔ ''اس کا چہرہ کھلا تھا۔''

''کیا تم دونوں میں سے کوئی اس گھڑسوار کو جانتا ہے؟''

''نہیں۔'' نوید نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''لیکن اگر وہ دوبارہ نظر آجائے تو میں اسے دیکھتے ہی پہچان لوں گا۔''

''مستقبل قریب میں تو اس گھڑسوار کے دکھائی دینے کا امکان نظر نہیں آرہا۔'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''اور تم لوگ ڈھاٹا پوش حملہ آوروں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے......''

''اگر میرا شک غلط نہیں تو میں ایک حملہ آور کے بارے میں آپ کو کچھ بتا سکتا ہوں۔'' امیر بخش نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شک، وہم، گمان...... تم ان چکروں میں نہ پڑو۔'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم جو کچھ بھی جانتے ہو، مجھے بتاؤ، جلدی اور اچھی طرح سوچ کر...... شاباش!''

کوچوان امیر بخش کی بظاہر سادہ سی بات میں میرے لیے کوئی سنسنی خیز انکشاف چھپا ہوا تھا۔ میرا تن بدن یکایک ہائی الرٹ ہو گیا تھا اور سماعت کوئی خوشخبری سننے کی منتظر تھی۔

''ڈھاٹا پوش حملہ آور تعداد میں چار تھے یا پانچ، یہ تو مجھے یاد نہیں۔'' امیر بخش نے بتایا۔ ''لیکن ان میں سے ایک کا قد کاٹھ، جسامت اور چال کو میں پہچان سکتا ہوں...... وہ مجھے ظفری لگا تھا۔''

''کون ظفری؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''اس کا اصل نام تو ظفر علی ہے لیکن سب اسے ''ظفری'' ہی کہتے ہیں۔'' امیر بخش وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ظفر ایک پستہ قامت اور بھاری جسم کا مالک شخص ہے اور اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ ہے مگر ہے بہت پھرتیلا۔ جب وہ حرکت میں ہوتا ہے تو یونہی لگتا ہے جیسے کوئی فٹ بال لڑھک رہا ہو۔ بھاری جسامت اور پستہ قامتی نے ظفری کی لمبائی چوڑائی کو ایک جیسا کر دیا ہے۔''

''ہم نے فرض کر لیا کہ تم جس ڈھاٹا پوش حملہ آور کے بارے میں بتا رہے ہو، وہ ظفر ہی ہے۔'' میں نے امیر بخش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب یہ بھی تو بتاؤ کہ ظفری ملے گا کہاں؟''

میرے اس اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے امیر بخش نے انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔ ''ظفری، چودھری الیاس گھمن کا خاص آدمی ہے اور یہ بندہ زیادہ تر ڈیرے پر رہتا ہے۔''

اس زنجیر کی ساری کڑیاں ایک ایک کر کے آپس میں مل رہی تھیں۔ اس کیس کا ہر سراغ اور ہر اشارہ الیاس گھمن کی ذات سے جڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنی کارروائی کو پٹری پر ڈالنے کے لیے بہت اچھا بریک تھرو مل گیا تھا۔

میں اذانِ فجر تک اسپتال میں نوید اور امیر بخش کے ساتھ موجود رہا پھر یہ کہہ کر اٹھ گیا۔ ''آپ دونوں کو آج کا پورا دن اسپتال کے بستروں پر ہی آرام کرنا ہے۔ انشاء اللہ! شام میں ملاقات ہوگی اور یہ میرا وعدہ ہے کہ میں خالی ہاتھ نہیں آؤں گا۔ میں آپ لوگوں کے لیے کوئی خوشخبری لے کر ہی یہاں آؤں گا۔''

اس کے بعد میں نے اسپتال کے کمپاؤنڈ میں نمازِ فجر ادا کی پھر اللہ کا نام لے کر تھانے کی جانب روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

جب ہم مراد پور پہنچے تو سورج کافی اوپر اٹھ آیا تھا اور دھوپ نے پورے ماحول کو اپنی آغوش میں لے کر گرما رکھا تھا۔ میں اور فیض احمد باقاعدہ سرکاری یونیفارم میں گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچے تھے۔ راستے میں، میں نے فیض احمد کو ان معلومات سے آگاہ کر دیا تھا جو گزشتہ شب مجھے نوید علی اور امیر بخش کی زبانی پتا چلی تھیں۔ فیض احمد اس وقت خاصے جوش میں تھا کیونکہ ہماری تفتیش کی گاڑی کو دوڑنے کے لیے ایک باقاعدہ ٹریک مل گیا تھا۔

میں نے چودھری الیاس گھمن کی حویلی کا رخ نہیں کیا بلکہ ہم گاؤں کی دوسری سمت سے اس ڈیرے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کا ذکر امیر بخش نے کیا تھا۔ مذکورہ ڈیرا نہر کے کنارے درختوں کے جھنڈ کے درمیان واقع تھا۔ یہ درخت دراصل آم کے باغات تھے اور تمام درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ میرے مطلوبہ بندے ظفر علی عرف ظفری کو اسی ڈیرے پر ہونا چاہیے تھا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ سامنے سے ایک گھڑسوار تیزی سے ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ اس کے عقب میں تھوڑے فاصلے پر تین مزید گھوڑے بھی دوڑتے ہوئے آرہے تھے جن کی پشتوں پر سوار بھی موجود تھے۔ اس وقت ہم جہاں سے گزر رہے تھے، وہاں سے درختوں کے جھنڈ میں چودھری کا ڈیرا صاف نظر آرہا تھا۔

''ملک صاحب! یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟'' فیض احمد نے ان گھڑسواروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میری نگاہ بھی انہی لوگوں پر جمی ہوئی تھی۔ میں نے سب سے آگے والے اکیلے گھڑسوار کو دور ہی سے پہچان لیا۔

میں نے فیض احمد کے سوال کے جواب میں کہا۔

''لگتا ہے، چودھری نے مراد پور کی حدود میں جاسوسی کا ایک مربوط نظام قائم کر رکھا ہے۔ اسے ہماری خفیہ آمد کی خبر ہو چکی ہے۔''

''اوہ......'' حوالدار نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ''یہ کمبخت چودھری ہمارے کام میں کہیں روڑے نہ اٹکا دے۔''

''اٹکا دے تو اٹکا دے، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''آج یہ مجھے کسی بھی قسم کی کارروائی سے نہیں روک سکتا۔ میں اس کے تمام روڑوں کو تفتیش کے بلڈوزر کے نیچے کچل ڈالوں گا۔ تم نے ایک کام کرنا ہے۔''

''جی حکم ملک صاحب۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

''میں چودھری کو باتوں میں لگاؤں گا۔'' میں نے الیاس گھمن پر نگاہ رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس بیچ میں تم چپکے سے کھسک لینا اور ایک چکر لگا کر ڈیرے کی عقبی سمت نکل جانا پھر نہر اور ڈیرے کے درمیان کسی جگہ رک کر ڈیرے پر کڑی نگاہ رکھنا۔ عین ممکن ہے کہ جب میں تفتیش نما ہانکا کروں تو ظفری ڈیرے کی عقبی جانب سے فرار ہونے کی کوشش کرے۔ ایسی صورت میں تم نے اسے بھاگنے کا موقع نہیں دینا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا......؟''

''اچھی طرح سمجھ گیا ملک صاحب۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''آپ اس سلسلے میں بےفکر ہو جائیں۔''

''اگر امیر بخش کا اندازہ درست ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کا اندازہ درست ہوگا تو...... ظفری اور اس کے ڈھاٹا پوش گھڑسوار ساتھیوں نے نوید علی اینڈ کمپنی کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے، وہ چودھری الیاس گھمن کے ایما پر ہی کیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''چودھری پر براہِ راست ہاتھ ڈالنے کے لیے مجھے اس کی کارستانی کا ٹھوس ثبوت چاہیے اور یہ ثبوت میں ظفری کی زبان سے اگلواؤں گا لہٰذا ہمیں پہلی فرصت میں ظفری کو اپنی تحویل میں لینا ہے۔''

''انشاء اللہ...... ایسا ہی ہوگا۔'' فیض احمد نے کہا۔

چند لمحات کے بعد وہ لوگ ہمارے سامنے تھے۔

چودھری الیاس نے تیکھی نظر سے مجھے دیکھا پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔

''ملک صاحب! ادھر میرے گاؤں میں کیا کارروائیاں ہو رہی ہیں؟''

''میں آپ کا سی آئی ڈی کا نظام چیک کرنے

مراد پورآیا تھا......‘‘ میں نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

’’پھر آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟‘‘

’’آپ کا نظام بڑا فعال ہے۔‘‘ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’جس کے ثبوت کے طور پر آپ اس وقت میرے سامنے کھڑے ہیں۔‘‘

وہ چند لمحات تک ٹٹولنے والی نگاہ سے مجھے دیکھتا رہا پھر برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ’’ملک صاحب! میں آپ سے خفا ہوں۔‘‘

’’ملک صاحب!‘‘ قبل اس کے کہ میں الیاس گھمن کی خفگی کی وجہ دریافت کرتا، حوالدار فیض احمد نے مجھے مخاطب کرلیا۔ ’’پکے ہوئے آموں کی خوشبو مجھے مست کررہی ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہوتو میں دو چار آم چوس لوں؟‘‘

مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی کہ فیض احمد نے وہاں سے کھسکنے کے لیے یہ بہانہ تراشا تھا۔ میں نے دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدرے شوخ لہجے میں کہا۔

’’مجھے تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ ہم جس کام کی غرض سے یہاں آئے تھے وہ مکمل ہوچکا۔ اب تم میری طرف سے بالکل فری ہو لیکن......‘‘ میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

’’یہ باغات چودھری صاحب کی ملکیت ہیں۔ اخلاقی طور پر ان کی اجازت کے بغیر تمہیں کسی درخت سے ایک آم بھی نہیں توڑنا چاہیے۔‘‘

میری ’’کام مکمل ہوچکا‘‘ والی بات نے چودھری کو چوکنا کردیا تھا۔

فیض احمد سوالیہ نظر سے چودھری الیاس گھمن کو تکنے لگا۔

چودھری ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ’’حوالدار صاحب! ان باغات کو آپ اپنا ہی سمجھو۔ جتنا دل چاہے، پیٹ بھر کر کھاؤ اور اگر خواہش ہوتو تھیلے میں بھر کر اپنے ساتھ لے جاؤ۔‘‘

فیض احمد فوراً سے پیشتر چودھری کا شکریہ ادا کرکے گھوڑے کو ایک جانب بڑھا لے گیا۔ میں نے الیاس گھمن کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

’’چودھری صاحب! آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں؟‘‘

’’میں نے کل آپ کو اپنی حویلی آنے کی دعوت دی تھی۔‘‘ وہ ناراضی بھرے انداز میں بولا۔ ’’لیکن آپ نے میری بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔‘‘

’’کوئی بات نہیں چودھری صاحب۔‘‘ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ’’کل نہیں تو آج میں آپ کی حویلی یاترا کر ڈالوں گا۔‘‘

’’اور آپ نے میری وہ بات بھی نہیں مانی......‘‘ وہ شکایتی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ’’میں نے آپ سے کہا تھا کہ بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے کی ضرورت نہیں مگر آپ نے اپنے اے ایس آئی کی نگرانی میں لاش کو سرکاری اسپتال بھجوادیا۔‘‘

ابھی تک چودھری ہی مجھ سے ہم کلام تھا۔ اس کے تینوں حواری چپ چاپ تھوڑے فاصلے پر موجود تھے۔ اس دوران میں، میں وقفے وقفے سے فیض احمد کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی دیکھ لیتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں حوالدر میری نظر کے فریم سے نکل گیا۔ یہ ایک اطمینان بخش صورتِ حال تھی اور اس سے بھی زیادہ تسلی آمیز یہ بات تھی کہ چودھری کے حواریوں میں سے کسی نے فیض احمد کی نگرانی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

’’وہ میری پیشہ ورانہ مجبوری تھی چودھری صاحب۔‘‘ میں نے اس کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ’’آپ اسے قانون کا تقاضا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس نوعیت کی اموات میں لاش کا پوسٹ مارٹم لازمی ٹھہرتا ہے۔‘‘

چودھری سے بات کرتے ہوئے میں نے اپنے اندرونی جذبات کو بڑی مہارت کے ساتھ قابو میں کر رکھا تھا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات سے قطعاً یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ میں اس کی کمینگی اور حرام زدگی سے اچھی طرح آگاہ ہوچکا ہوں۔ جب تک ظفری میرے ہتھے نہ چڑھ جاتا اس نوعیت کی اداکاری کامیابی کے لیے ضروری تھی۔

’’پھر کیا رپورٹ آئی ہے پوسٹ مارٹم کی؟‘‘ اس نے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

’’ابھی بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوسکا۔‘‘ میں نے چہرے پر مصنوعی فکرمندی طاری کرتے ہوئے کہا۔ ’’اسپتال والوں نے ایک اڑنگا لگادیا ہے۔‘‘

میں نے آخری جملہ اتنی سادگی اور معصومیت سے ادا کیا تھا کہ اس نے آنکھیں سکیڑ کر سرسراتی ہوئی آواز میں مجھ سے استفسار کیا۔

’’کیسا اڑنگا......؟‘‘

’’وہ کہتے ہیں، پوسٹ مارٹم کی پالیسی تبدیل ہوگئی ہے۔‘‘ میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ ’’اب انہوں نے اس کام کو ٹو پیس کردیا ہے جیسا کہ ٹو پیس سوٹ ہوتا ہے......‘‘

اس کی الجھن میں حیرت بھی شامل ہوگئی، عجیب سے

لہجے میں بولا۔ ''آپ کی بات میرے پلّے نہیں پڑی۔''
''یہ میری نہیں، اسپتال والوں کی بات ہے چودھری صاحب۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''پہلے پہل یہ بات میرے بھی پلے نہیں پڑی تھی لیکن پھر انہوں نے مجھے سمجھا دیا۔''
''آپ مجھے بھی سمجھائیں۔'' وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔
''اللہ آپ کا بھلا کرے چودھری صاحب۔'' میں نے رسانیت بھرے انداز میں کہا۔ ''اسپتال والوں نے مجھے بتایا ہے کہ اب کسی مُردے کا اکیلا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا کرے گا بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک زندہ انسان کا پوست ماتم بھی ہوگا۔''
''پوست ماتم!'' اس نے منہ بگاڑ کر دہرایا۔ ''یہ کیا بلا ہے؟''
''یہ بلا نہیں چودھری صاحب بلکہ ایک اسپیشل ٹیسٹ ہے۔'' میں نے اداکاری کی معراج کو چھوتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''پوست یعنی کھال اور ماتم مطلب کھنچائی...... اس اسپیشل ٹیسٹ میں زندہ انسان کی کھال کھینچی جاتی ہے اور اس ٹیسٹ کے لیے زندہ انسان کا انتخاب بھی اسپتال والے ہی کرتے ہیں۔ بشریٰ کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے ساتھ جس زندہ انسان کا پوست ماتم کیا جائے گا اس کا نام......''
''کیا آپ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں......؟'' وہ غصیلے انداز میں بولا۔
میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اللہ نہ کرے چودھری صاحب۔''
''آپ کو یہ مذاق بہت مہنگا پڑے گا ملک صاحب۔'' وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔
میں نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ اسپتال والوں کے تجویز کردہ زندہ انسان کا نام نہیں جاننا چاہیں گے چودھری صاحب؟''
''بھاڑ میں گیا وہ بندہ۔'' وہ کینہ توز نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''اور آگ لگے آپ کے اسپتال کو۔''
میں نے جلتی پر ہائی اوکٹین چھڑکتے ہوئے کہا۔ ''اسپتال کو آگ لگنے والی آپ کی خواہش تو پوری نہیں ہوسکتی البتہ، اس زندہ انسان کے پوست ماتم کے بعد میں اسے بھاڑ میں ضرور ڈالوں گا۔''
''آپ کا مطلب کیا ہے؟'' وہ بے حد چوکنا نظر سے مجھے گھورنے لگا۔
میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''میں یہاں ظفری کی تلاش میں آیا ہوں۔'' پھر میں نے درختوں کے جھنڈ میں ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے پتا چلا ہے کہ ظفری اس ڈیرے پر ملے گا۔''
''آپ کو کسی نے بالکل غلط بتایا ہے۔'' وہ رعب دار آواز میں بولا۔
''میری معلومات غلط نہیں ہوسکتیں۔'' میں نے چودھری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا۔ ''ظفری اور ماکھا آپ کے دو خاص ملازم ہیں اور وہ دونوں اس ڈیرے پر ہی رہتے ہیں۔''
''یہ ٹھیک ہے کہ ظفری اور ماکھا میرے آدمی ہیں اور اس ڈیرے پر رہ کر کاشت کاری کی نگرانی کرتے ہیں۔'' وہ بڑی رعونت سے بولا۔ ''لیکن ظفری اس وقت ڈیرے پر موجود نہیں۔''
''وہ کہاں گیا ہوا ہے؟'' میں نے محض خانہ پُری کی غرض سے پوچھ لیا۔
''وہ پرسوں شیخوپورہ گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔'' چودھری نے بتایا پھر پوچھا۔ ''آپ کو کس سلسلے میں ظفری کی تلاش ہے؟''
''بتایا تو ہے، ظفری کا پوست ماتم کرنا ہے۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''وہ ڈکیتی کی ایک سنگین واردات میں مجھے مطلوب ہے۔''
''ڈکیتی...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''
''میں نے وہی کہا جو آپ نے سنا۔'' میں نے حقارت بھری نظر سے چودھری کی طرف دیکھا پھر اپنا گھوڑا ڈیرے کی سمت بڑھاتے ہوئے بڑی سفاکی سے کہا۔ ''ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے گا۔''
''رک جاؤ ملک صفدر حیات۔'' وہ مجھے میرے نام سے مخاطب کرتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولا۔
''نہیں رک سکتا الیاس گھمن!'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
وہ آپے سے باہر ہوگیا اور ''آپ'' سے ''تم'' تک کا سفر پلک جھپکتے میں طے کرتے ہوئے خاصے بدتمیز لہجے میں بولا۔ ''یہ تم اچھا نہیں کر رہے۔''
''میں اپنے اچھے بُرے کا خود ذمے دار ہوں۔'' میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے اکھڑ انداز میں کہا۔
اس کے تینوں حاشیہ بردار اپنے گھوڑوں کو چلاتے ہوئے ہمارے عقب میں آرہے تھے جبکہ میرے اور الیاس گھمن کے گھوڑے پہلو بہ پہلو قدم اٹھا رہے تھے۔ وہ اپنی کنگ سائز مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے غضب ناک لہجے میں بولا۔

''صفدر حیات! تم بہت غلط جگہ ہاتھ ڈالنے جارہے ہو......!''

اس کے انداز میں دھمکی چھپی ہوئی تھی لیکن میں اس کی دھونس دھاندلی سے مرعوب یا خوف زدہ ہونے والا نہیں تھا۔ میں جو سوچ کر مراد پور آیا تھا، وہ کر کے ہی مجھے یہاں سے لوٹنا تھا۔ میرے لیے اطمینان کا باعث یہ بات تھی کہ حوالدار فیض احمد نے احتیاطی پوزیشن سنبھال لی تھی۔

''میں نے خوب سوچ سمجھ کر ہی اس غلط جگہ ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے چودھری۔'' میں نے بھی لحاظ مروت اور ادب وآداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کھرے لہجے میں کہا۔ ''تم یہ رعب کسی اور پر جا کر ڈالنا۔ میں تمہاری گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔''

''یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون گیدڑ ہے اور کون شیر۔'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''چودھری الیاس گھمن سے متھا لگانا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔''

''پروا نہیں ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''مہنگے سستے کا حساب بعد میں کریں گے۔''

میرے لہجے میں چودھری کے لیے اس قدر بے اعتنائی اور حقارت بھری ہوئی تھی کہ وہ سلگ کر رہ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کی غراہٹ نے میری سماعت تک رسائی حاصل کر لی۔

''تمہیں سرکار نے وردی اس لیے نہیں دی تھی کہ تم کہیں بھی دندناتے ہوئے گھس جاؤ۔ میں تمہاری شکایت اوپر تک پہنچاؤں گا۔''

''اوپر والے کے ساتھ میرے تعلقات بہت اچھے ہیں۔'' میں نے اسے تپانے کی غرض سے کہا۔ ''اس ذات پاک نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا اور جہاں تک اس وردی کا معاملہ ہے تو میں نے کبھی کسی بے گناہ اور بے قصور کو خوامخواہ تنگ نہیں کیا اس لیے مجھے امید ہے کہ اوپر والا مجھے کسی بھی میدان میں شرمندہ نہیں کرے گا۔''

''میں تمہارے سینئر افسران کی بات کر رہا ہوں......'' وہ شپٹا کر بولا۔ ''اور تم کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہو؟''

''میں تو تھانے سے نکل کر مراد پور پہنچا ہوں۔'' میں نے انتہائی سادگی سے کہا۔ ''اور ایک آدھ منٹ میں تمہارے ڈیرے کے اندر پہنچنے والا ہوں۔''

''میں پھر یہی کہوں گا کہ ظفری شیخوپورہ گیا ہوا ہے۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر مجھے بھٹکانے کی کوشش کی۔ ''تم.... خوامخواہ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہو صفدر حیات!''

''میں تمہارے مشوروں کا محتاج نہیں ہوں۔ اگر تم نے تفتیش کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو میں ظفری سے پہلے تمہیں آہنی زیور پہنا دوں گا۔''

''تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو۔'' وہ پھنکار سے مشابہ لہجے میں بولا۔ میرے دوٹوک اور بے مروت انداز نے اس کی جھوٹی انا پر کاری ضرب لگائی تھی۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے عامیانہ انداز میں کہا۔ ''یہ مت بھولو کہ سرکار تمہیں ہمارے پیسوں سے تنخواہ دیتی ہے۔''

وہ گھٹیا پن پر اتر آیا تھا۔ اس کی چھوٹی سوچ کھل کر سامنے آگئی تھی۔ اس کی بات سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن جواباً میں بھی اس کی سطح پر نہیں آسکتا تھا چنانچہ میں نے حیرت بھرے لہجے میں اس سے پوچھا۔

''وہ کیسے چودھری......؟''

''ہم بڑے بڑے چودھری، زمیندار اور نمبردار سالانہ سرکار کو جو لگان (ٹیکس) دیتے ہیں، اسی پیسے سے تمام سرکاری ملازمین کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔'' وہ بڑی رعونت سے بولا۔

ڈیرے کے گیٹ پر پہنچ کر میں اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا پھر چودھری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم بڑے زمیندار جتنا ٹیکس چوری کرتے ہو اس کا مجھے بخوبی علم ہے۔ تم چاہے جتنی بھی گھٹیا باتیں کر لو مگر نہ تم مجھے ڈیرے میں داخل ہونے سے روک سکتے ہو اور نہ ہی اپنے نمک خوار ظفری کو گرفتاری سے بچا سکتے ہو......''

میرے دوٹوک انداز اور چٹانی لہجے نے چودھری کو گہری سوچ میں ڈال دیا۔ چند لمحات تک وہ خشمگیں نظر سے مجھے گھورتا رہا پھر اس کے چہرے پر شیطانی چمک نمودار ہوئی۔ اگلے ہی لمحے وہ بڑے عجیب سے لہجے میں بولا۔

''تم اس ڈیرے کی تلاشی کا شوق پورا کر لو لیکن میں ایسے ہی خالی خولی تمہیں اندر نہیں گھسنے دوں گا۔'' بات ختم کرتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور کہا۔ ''اس ڈیرے کی خانہ تلاشی کے لیے تمہیں عدالت سے سرچ وارنٹ لے کر آنا پڑے گا۔''

''تم میرے شکوک کو یقین میں بدل رہے ہو چودھری!'' میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ ''کارِ سرکار کے بیچ تم جو روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہے ہو، یہ ظفری کے ساتھ تمہیں بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیں گی۔''

''میں نے تو اصول کی بات کی ہے۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''کسی بھی گھر کی تلاشی کے لیے قانوناً سرچ وارنٹ کی ضرورت ہوتی ہے...... ہوتی ہے یا نہیں؟''

''ہوتی ہے۔'' میں نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا پھر

پوچھا۔ ”تمہیں سرچ وارنٹ دیکھنا ہے؟“

”ہاں دکھاؤ۔“ وہ مضحکہ خیز انداز میں مسکرایا۔

”لو دیکھو......“ میں نے پاٹ دار آواز میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ڈیرے کے دروازے پر ایک زوردار لات رسید کردی۔

میری اس لات میں چھ ہارس پاور کی طاقت تھی یا گیٹ کی اندرونی کنڈی کمزور تھی، ایک طوفانی دھماکے کے ساتھ گیٹ کے دونوں پٹ وا ہوگئے۔

چودھری ہکا بکا مجھے دیکھتا رہ گیا۔ میرے جارحانہ انداز کو دیکھ کر اس کی عقل دنگ رہ گئی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میں ایسی ہنگامہ خیز کارروائی پر اتر آؤں گا۔ قبل اس کے کہ چودھری کی حیرت ٹوٹتی، میں بھرّا مار کر ڈیرے کے اندر داخل ہوگیا۔

اسی وقت فیض احمد کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ للکار کر کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”رک جاؤ، ورنہ میں گولی ماردوں گا۔“

صورت حال کو سمجھنے میں مجھے قطعاً کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ حوالدار کو میں نے ڈیرے کی عقبی جانب ریڈ الرٹ رہنے کو کہا تھا۔ اگر وہ کسی کو روکنے کی کوشش کررہا تھا تو اس کا ایک یہی مطلب تھا کہ کوئی ڈیرے کی عقبی دیوار پھلانگ کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کررہا تھا اور اغلب امکان یہی تھا یہ ”کوئی“ ظفری ہی ہوگا۔ باقی جہاں تک حوالدار کی اس دھمکی کا تعلق تھا کہ...... وہ گولی ماردے گا...... تو یہ ایک کھوکھلی دھمکی تھی کیونکہ فیض احمد کے پاس اس وقت کسی قسم کی کوئی گن نہیں تھی۔

یہ تمام تر خیالات سیکنڈ کے دسویں حصے میں میرے ذہن سے گزرے اور میں ڈیرے کے صحن میں دوڑ لگا کر عقبی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ ڈیرے کی چودھری کی اونچائی بمشکل چارفٹ تھی۔ میں نے اس دیوار کے اوپر سے فیض احمد کو ایک لمبے تڑنگے آدمی کے تعاقب میں بھاگتے ہوئے دیکھا۔

وہ بندہ کسی بھی صورت میں ظفری نہیں ہوسکتا تھا۔ کوچوان امیر بخش نے ظفری کے بارے میں مجھے جو معلومات فراہم کی تھیں، ان کے مطابق وہ پستہ قامت اور بھاری جثے کا مالک تھا۔ علاوہ ازیں اس کی چال میں بھی لنگڑاہٹ تھی۔ جب وہ بھاگتا تھا تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی فٹ بال لڑھک رہا ہو جبکہ یہ بندہ نہ تو لنگڑا رہا تھا اور نہ ہی اس کا قد پستہ تھا۔ میرے ذہن نے چیخ کر کہا...... یہ ماکھا کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

اس ڈیرے پر چودھری کے دو خاص آدمی رہا کرتے تھے، ظفری اور ماکھا۔ یقیناً یہ ماکھا ہی تھا۔ اس نے ڈیرے کے گیٹ پر میرے اور الیاس گھمن کے بیچ ہونے والی گفتگو کو سن لیا تھا اور وہ جان گیا تھا کہ میں کن خطرناک عزائم کے ساتھ وہاں پہنچا ہوں اسی لیے اس نے عقبی دیوار پھلانگ کر راہِ فرار اختیار کی تھی۔

فیض احمد جلد ہی اس کے سر پر پہنچ گیا اور اسے قابو کرنے کی کوشش کی لیکن ماکھا کچھ زیادہ ہی پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے پلٹ کر جوابی حملہ کیا۔ فیض احمد کو ماکھا سے ایسے ردعمل کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ مار کھا گیا۔ نتیجے میں حوالدار چاروں خانے چت زمین پر پڑا تھا۔ ماکھا نے فیض احمد کو دھوبی پاٹ مارا تھا۔ بعدازاں پتا چلا کہ ماکھا مراد پور کا ایک جانا مانا ہوا پہلوان بھی تھا۔

فیض علی کو زمین چٹانے کے بعد ماکھا نے نہر کی جانب دوڑ لگادی۔ اس دوران میں، میں دیوار پھلانگ کر ڈیرے کی حدود سے باہر نکل چکا تھا۔ ماکھا، فیض احمد پر سوا سیر ثابت ہورہا تھا لہٰذا میں ایکشن میں آگیا۔

میں نے اپنے سروس ریوالور سے ایک ہوائی فائر کیا اور اس کے ساتھ ہی بہ آوازِ بلند گرج کر کہا۔ ”ماکھا! جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں تمہارے بھیجے میں سوراخ کردوں گا۔“

گولی کی آواز کے ساتھ دی جانے والی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ ماکھا کے دوڑتے ہوئے قدموں کو بریک لگ گئے۔ اس دوران میں، میں دوڑتے ہوئے اس کے نزدیک پہنچ گیا اور ریوالور کو ماکھا پر تانتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”ہینڈز اپ......!“

ماکھا نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیے۔

اسی اثنا میں حوالدار فیض احمد بھی ہمارے قریب پہنچ گیا۔

میں نے حوالدار سے کہا۔ ”اس تیس مار خاں کو گرفتار کرلو۔“

فیض احمد کسی اور ہی موڈ میں تھا۔ اس نے میرے حکم کی تعمیل تو کی مگر بہ اندازِ دگر...... فیض احمد نے وہاں آتے ہی ماکھا پر لاتوں اور گھونسوں کی برسات کردی۔ وہ اپنی ہزیمت کا حساب چکتا کرنا چاہتا تھا۔ پھر ماکھا کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنادی۔

”میری ہتھکڑی کھول دے تھانے دارا۔“ وہ زخمی سانپ کے مانند پھنکار کر بولا۔ ”ورنہ تیرے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔“

”اوئے، بکواس بند کر۔“ میں نے طیش کے عالم میں

کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کے گال پر ایک زناٹے دار تھپڑ بھی رسید کردیا پھر غضب ناک انداز میں اضافہ کیا۔ ''یہ ہتھکڑی تو اب جیل میں جا کر ہی کھلے گی۔''

وہ مجھے دھمکانے کی کوشش کرنے لگا۔ ''میرا نام ماکھا جٹ ہے، تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں چودھری الیاس گھمن کا خاص بندہ ہوں۔''

''تیرے چودھری کی تو میں......'' فیض احمد نے ماکھا کو ایک ناقابلِ اشاعت گالی سے نوازا پھر اس کی پنڈلی کے سامنے والے حصے پر اپنے سرکاری بوٹ سے ایک زوردار ٹھڈا رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم نے زبان سے مزید ایک لفظ بھی نکالا تو مار مار کر میں تمہیں باندر بنا دوں گا۔''

پنڈلی کے سامنے والا حصہ بہت ہی نازک اور حساس ہوتا ہے۔ یہاں پر ہڈی کھال کی گہرائی میں نہیں بلکہ بالکل اوپن ہوتی ہے۔ حوالدار کے ہیوی بوٹ کی طوفانی ٹھوکر نے ماکھا کو بلبلانے پر مجبور کردیا تھا۔ اوپر سے میرے سفاک انداز نے اس کے ہوش کا سوا ستیاناس مار دیا۔ وہ بے دریغ مجھے اور حوالدار کو مغلظات میں تولنے لگا۔

اس دوران میں چودھری الیاس گھمن اپنے حواریوں سمیت وہاں پہنچ گیا تھا۔ میں نے فاتحانہ نظر سے اسے دیکھا اور سلگانے والے انداز میں کہا۔

''چودھری! میں سرچ وارنٹ کے بغیر ہی تمہارے بندے کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس کے پیٹ میں جتنی بھی گندگی بھری ہوئی ہے، جب یہ اگلے گا تو پھر میں سرچ وارنٹ نہیں بلکہ اریسٹ وارنٹ کے ساتھ تمہاری گردن ناپنے حویلی آؤں گا۔ اس طرح مجھے حویلی میں بلانے کی تمہاری خواہش بھی پوری ہوجائے گی......''

اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہمارے ٹکڑے کرکے چیل کوؤں کو کھلا دیتا۔ انتہائی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں اس نے اپنی جھوٹی شان کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''صفدر حیات! تم چودھری الیاس گھمن کی پہنچ سے واقف نہیں ہو۔ تمہیں بری طرح پچھتانا پڑے گا۔''

''دیکھا جائے گا......'' میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے خاصے خطرناک لہجے میں کہا۔ ''تم ڈی سی کے پاس جاؤ یا گورنر سے ملو، آئی جی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ یا وزیراعلیٰ کے آداب بجالاؤ، مجھے کسی کی پروا نہیں کیونکہ میں حق کی راہ پر چلتے ہوئے قانونی تقاضے پورے کر رہا ہوں اور جیت ہمیشہ حق ہی کی ہوتی ہے......'' لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''چودھری! تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ پورے بدن پر تیل مل کر کسرت شروع کردو۔ خوب ڈنڈ بیٹھکیں لگا کر تیار ہوجاؤ۔ میں کسی بھی وقت تمہاری گوشمالی کے لیے مراد پور آنے والا ہوں۔''

وہ مجھے ایسی نظر سے دیکھنے لگا جیسے کچا ہی چبا ڈالے گا۔ میں نے اس کی معاندانہ نگاہ کی پروا نہیں کی اور اس کی اونچی اونچی دھمکیوں کو جوتے کی نوک پر مار کر وہاں سے چلا آیا۔

تھانے پہنچ کر میں نے ایک کانسٹیبل کو بھیج کر ہیڈ کانسٹیبل بابر علی کو اپنے کمرے میں بلالیا۔ بابر فوراً حاضر ہوگیا۔ اس نے مجھے سیلیوٹ کرنے کے بعد مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''جی، ملک صاحب۔ کیا حکم ہے؟''

بابر علی تفتیشی شعبے کا اسپیشلسٹ تھا۔ مجرموں کی زبان کھلوانے کے اس کے پاس ایک سو ایک گُر تھے۔ وہ ایک ہٹا کٹا، جلاد صورت پولیس اہلکار تھا۔

''بابر علی!'' میں نے ماکھا جٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔ ''یہ مراد پور کا ایک جانا اور مانا ہوا پہلوان ہے لیکن اس وقت یہ اپنے فنِ پہلوانی کو نکھار بخشنے کے لیے یہاں آیا ہے۔ میں اسے تمہاری شاگردی میں دیتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ تم اسے خاص الخاص داؤ پیچ سکھاؤ گے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا......؟''

''چنگی طراں سمجھ رہا ہوں ملک صاحب۔'' وہ ماکھا کو ایسی نظر سے دیکھنے لگا جیسے قصاب بکرے کو دیکھتا ہے۔ ''آپ فکر ہی نہ کریں ملک صاحب!'' وہ چہرے پر پراسرار خوشی کو سجاتے ہوئے بولا۔

''شاباش!'' میں نے توصیفی نگاہ سے بابر علی کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''میں مانتا ہوں، تم ایک سچے فن کار ہو لیکن اس دیو کے ہڈ گوڈ نہیں کھولنا، بس اس کی زبان کا تالا کھولنا ہے۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی ملک صاحب!'' وہ سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی خواہش کے مطابق اس مریض کا علاج کروں گا۔ یہ آپ کو صحیح سلامت ملے گا اور اس کی زبان ٹیپ ریکارڈر کی طرح بج اٹھے گی۔''

اس موقع پر حوالدار فیض احمد بھی کمرے میں موجود تھا۔ اس نے امید بھری نظر سے مجھے دیکھا اور منت ریز لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! آپ سے میری ایک

درخواست ہے۔‘‘

’’ہاں بولو......‘‘ میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

وہ بولا۔ ’’اگر آپ ماکھا جٹ کو میرے حوالے کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔‘‘

میں فیض احمد کی اس التماس کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھا۔ ماکھا نے ادھر مراد پور میں دھوبی پاٹ مار کر جس برے انداز میں حوالدار کو زمین پر پٹخا تھا، فیض احمد اس واقعے کو اس وقت تک بھول نہیں سکتا تھا جب تک وہ ماکھا کی عظیم الشان درگت نہ بنا ڈالتا۔ اس مرحلے پر میں نے فیض احمد کو مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’ماکھا جٹ کو میں آپ دونوں کے حوالے کر رہا ہوں۔ تم اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے اس کی خاطر داری کرو۔ میں کچھ دیر کے لیے تھانے سے باہر جا رہا ہوں۔ جب میں واپس آؤں تو اس وقت تک تمہارا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جانا چاہیے۔ اوکے؟‘‘

’’اوکے ملک صاحب!‘‘ وہ بیک زبان ہو کر بولے۔

اس امر میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ بعض اوقات مجرموں کی زبان کھلوانے کے لیے جو تفتیشی ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں انہیں ’’انسانی حقوق کی علم بردار تنظیموں‘‘ کی زبان میں ’’انسانیت سوز سلوک‘‘ کہا جاتا ہے لیکن یہ سب کرنا ہماری مجبوری بلکہ تفتیش کا حصہ ہے۔

☆☆☆

سہ پہر کے وقت میں ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر پہنچا اور اپنے سینئر آفیسر کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد اپنی اب تک کی کارکردگی کی رپورٹ بھی پیش کر دی۔ میں نے انہیں بتایا کہ تفتیش کے سلسلے میں کس نوعیت کی مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ انہوں نے میری کوششوں کو سراہا اور مجھے ہر قسم کی کارروائی کے مکمل اختیارات دے دیے۔ مجھے اس بات کا یقین دلایا گیا کہ محکمہ اس کیس میں ہر ممکنہ حد تک مجھ سے تعاون کرے گا۔ مجھے ہدایت کی گئی کہ اگلے روز میں عدالت سے چودھری الیاس گھمن کی حویلی کے سرچ وارنٹ بھی نکلوالوں اور اگر میں ضرورت محسوس کروں تو چودھری کی گرفتاری کا حکم نامہ بھی حاصل کرلوں۔

ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر سے نکل کر میں ضلعی اسپتال چلا گیا تا کہ اے ایس آئی نوید علی اور کوچوان امیر بخش کی مزاج پرسی کرسکوں۔ جب آج علی الصباح میں اسپتال سے رخصت ہوا تھا تو وہ دونوں ہوش وحواس میں تھے تاہم ان کی جسمانی حالت کو تسلی بخش نہیں کہا جاسکتا تھا۔

اب جو ان سے میری ملاقات ہوئی تو وہ قدرے بہتر تھے۔ میں نے متعلقہ ڈاکٹر سے بھی بات کی۔ ڈاکٹر کا مشورہ یہی تھا کہ آج کا دن انہیں اسپتال ہی میں رہنا چاہیے تا کہ ان کی مناسب دیکھ بھال کی جاسکے۔ اس نے بتایا کہ آئندہ روز وہ انہیں ڈسچارج کردے گا۔ میں نے ڈاکٹر کے مشورے پر صاد کیا۔

میں کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ اے ایس آئی کو میں نے آج کی مراد پور والی کارروائی کے بارے میں مختصراً بتایا۔ وہ نقاہت بھرے لہجے میں بولا۔

’’میں ماکھا جٹ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ایک تجربہ کار اور ماہر پہلوان ہے۔ آپ نے اسے زیر کر کے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔‘‘

’’میں نے ماکھا سے کوئی اکھاڑے میں دو دو ہاتھ نہیں کیے جو اس کی گرفتاری کو میرا عظیم کارنامہ تصور کیا جائے۔‘‘ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ’’ماکھا نے فیض احمد کو دھوبی پاٹ مار کر چاروں خانے چت کر دیا تھا۔ اس کی اس کارکردگی سے لگا کہ وہ فنِ پہلوانی میں کافی مہارت رکھتا ہے۔‘‘

’’آپ ماکھا کو بابر اور فیض کے حوالے کر آئے ہیں۔‘‘ اے ایس آئی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ’’بابر تو ماکھا کی جو خاطر داری کرے گا سو کرے گا لیکن مجھے یقین ہے، فیض اپنی بےعزتی کا سود در سود بدلہ چکائے گا۔‘‘

’’مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔‘‘ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

’’ملک صاحب! آپ نے ماکھا جٹ کو گرفتار کر کے حوالات میں پہنچا دیا ہے۔‘‘ امیر بخش کوچوان جو کافی دیر سے خاموش لیٹا ہماری باتیں سن رہا تھا، مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ’’لیکن اصل مسئلہ اس وقت حل ہوگا جب ظفری آپ کی گرفت میں آئے گا۔‘‘

’’چودھری نے مجھے بتایا تھا کہ ظفری وقوعہ سے پہلے شیخوپورہ گیا ہوا ہے۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’لیکن میں چودھری کی بات پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ ماکھا میرے ہتھے چڑھ چکا ہے۔ آج کی تاریخ میں، میں ماکھا کی زبان سے ظفری کا پتا ٹھکانا اگلوا لوں گا۔ ظفری اور ماکھا ایک ساتھ چودھری کے ڈیرے پر رہتے ہیں اور یہ دونوں چودھری کے خاص

بندے بھی ہیں۔''

''آپ نے صحیح کہا ملک صاحب۔'' امیر بخش تائیدی انداز میں بولا۔ ''چودھری الیاس گھمن ان دونوں پر بہت بھروسا کرتا ہے لیکن میری معلومات کے مطابق ظفری چودھری کا خاص الخاص بندہ ہے۔ اہم نوعیت کے منصوبوں میں چودھری، ظفری ہی سے کام لیتا ہے۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک مضمحل سی سانس لی پھر عجیب سے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''یہ لنگڑا ٹنگو جتنا زمین کے اوپر نظر آتا ہے، اس سے کہیں زیادہ یہ زمین کے اندر چھپا ہوا ہے۔ لوگ اس کی پستہ قامتی اور معذوری سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ بے بس، معصوم اور لاچار دکھائی دینے والا یہ بندہ بڑا عیار اور چال باز ہے تھانے دار صاحب۔''

''جب یہ میرے ہتھے چڑھے گا تو... اس کی ساری چالاکی، چالبازی اور پھرتی نکل جائے گی اور کسی کو اپنا احوال سناتے ہوئے اس کی گردن شرم سے جھک جائے گی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''گزشتہ روز جنگل کے نزدیک ڈھاٹا پوش گھڑ سواروں نے ہمارے ساتھ جو کارروائی کی اس میں امیر بخش کے بقول ظفری پیش پیش تھا۔'' اے ایس آئی نوید علی گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کچھ چودھری الیاس گھمن کے اشارے پر کیا گیا تھا۔ آپ نے بتایا تھا کہ چودھری بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے کے حق میں نہیں تھا اسی لیے اس کے ڈھاٹا پوش حملہ آوروں نے ہمیں آناً فاناً زدوکوب کر کے بشریٰ کی لاش کو تانگے سمیت غائب کر دیا۔''

''میں تمہارے خیالات سے اتفاق کرتا ہوں نوید۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''میں اپنے طور پر اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہونے میں چودھری کا کوئی بڑا نقصان چھپا ہوا تھا اور لاش کا پوسٹ مارٹم نہ ہونے کی صورت میں اسے کوئی فائدہ پہنچنے والا تھا۔ بس، اب یہ پتا چلانا باقی ہے کہ چودھری کے اس فائدے اور نقصان کی نوعیت کیا ہے اور...... اس راز تک مجھے ماکھا اور ظفری پہنچائیں گے۔''

''ملک صاحب......'' امیر بخش نے منت ریز انداز میں کہا۔ ''وہ تانگا ہی میرے روزگار کا واحد ذریعہ تھا۔ میں غریب انسان تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ میری روزی روٹی کا کیا ہوگا......؟''

''تمہارا تانگا اور اصغر علی کی بیوی بشریٰ کی لاش ایک ساتھ غائب ہوئے ہیں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رسانیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''ہیں کہ نہیں......؟''

''جی، جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''مجھے ہر قیمت پر بشریٰ کی لاش کو بازیاب کرنا ہے تاکہ فی الفور اس کا پوسٹ مارٹم کرایا جا سکے۔'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''جب بشریٰ کی لاش ملے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ جلد از جلد ملے گی تو اس لاش کے ساتھ ہی تمہارا تانگا بھی مل جائے گا لہٰذا......'' میں نے ذرا سا توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''لہٰذا تمہیں اپنے تانگے کے لیے پریشان ہونے کے بجائے اس مالک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے جس کے کرم کے طفیل تم اس وقت زندہ ہو ورنہ ظفری اینڈ کمپنی نے تو تم لوگوں کو ''انا للہ'' کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب۔'' وہ ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔ ''ماکھا ہو یا ظفری یہ سب چودھری الیاس گھمن کے غلام اور اس کے اشارے کے منتظر و محتاج ہیں۔'' اے ایس آئی نے کہا۔

''ہمارا اصل ٹارگٹ تو چودھری ہی ہوا نا۔''

''بالکل...... الیاس گھمن ہی ہمارا اصل ٹارگٹ ہے۔'' میں نے قطعی انداز میں کہا۔ ''اور میں اسی کو گھیرنے کے لیے یہ سارا کشٹ اٹھا رہا ہوں۔ میں الیاس گھمن کو ایسے طریقے سلیقے سے شکار کروں گا کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ کل شام تک میں اپنا مقصد حاصل کر لوں گا۔''

''انشاء اللہ......!'' نوید علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

میں تھوڑی دیر مزید ان کے پاس بیٹھ کر اٹھ آیا۔

جب میں تھانے پہنچا تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ حوالدار فیض احمد اور ہیڈ کانسٹیبل بابر علی میرے پاس آ گئے۔ ان کے چہرے فاتحانہ تاثرات سے چمک رہے تھے۔ میں نے باری باری ان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیا رپورٹ ہے؟''

''رپورٹ کافی حوصلہ افزا ہے ملک صاحب۔'' فیض احمد نے جوشیلے انداز میں کہا۔

بابر معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''میں نے گاڑی کی سروس کر دی ہے۔ آپ تھوڑی سی بھی ریس دیں گے تو یہ منجھی منجھائی ہوئی گاڑی گولی کی رفتار سے دوڑنے لگے گی۔ اس

کی زبان کے سارے قفل کھل چکے ہیں۔ اگر آپ ٹرائی کرنا چاہیں تو میں گاڑی کو گیراج سے نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے بابر علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم پندرہ منٹ کے بعد ماکھا کو میرے کمرے میں لے آؤ۔ میں خود اس سے سوال جواب کروں گا۔''

ان کے جانے کے بعد میں نے اپنے کمرے ہی میں نمازِ مغرب ادا کی۔ میں نماز سے فارغ ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل، ماکھا جٹ کو میرے پاس لے آیا۔ ماکھا کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ میں نے بابر علی کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور ماکھا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا ہے......؟''

''تھانے دار صاحب! آپ میری بات کا یقین کریں۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر ملتجیانہ انداز میں بولا۔ ''بشریٰ کو پیش آنے والے واقعے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔''

''کیا حوالدار اور ہیڈ کانسٹیبل نے تمہاری اس بات کا یقین کر لیا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں جناب!'' وہ سراسیمہ لہجے میں بولا۔ ''یہ دونوں بہت ہی ظالم اور سفاک انسان ہیں۔ انہوں نے مجھے مارنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔''

''میں بہت رحم دل اور خدا ترس انسان ہوں۔'' میں نے ماکھا پر ایک نفسیاتی حربہ آزمایا۔ ''میں تمہیں ایک تھپڑ بھی نہیں ماروں گا اور تمہاری ہر بات کا یقین بھی کروں گا لیکن میری ایک شرط ہے......''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ بے ساختہ مستفسر ہوا۔ ''کیسی شرط؟''

میں نے اپنائیت بھرے انداز میں کہا۔ ''پہلے بیٹھ جاؤ، پھر بات کرتے ہیں۔''

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کا یہ ردعمل عین فطری تھا۔ پچھلے چند گھنٹوں میں فیض احمد اور بابر علی نے اسے جن کڑی آزمائشوں سے گزارا تھا اس کے بعد میرا یہ رویہ اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی ہچکچاہٹ کو دیکھتے ہوئے میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

''تم نے سنا نہیں، میں نے کیا کہا ہے؟''

ایک لمحے کے تذبذب کے بعد وہ ایک چوبی کرسی پر بیٹھ گیا پھر الجھی ہوئی رحم طلب نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے اس کا نفسیاتی ٹریٹمنٹ شروع کرتے ہوئے کہا۔

''میری شرط بس اتنی سی ہے کہ تم مجھ سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کرو گے۔ میں جو بھی پوچھوں، اس کا سیدھا، کھرا اور سچا جواب دو گے تو میں تمہاری ہر بات کا یقین کروں گا اور تمہیں ایک طمانچہ تک نہیں ماروں گا لیکن اگر مجھے ذرا سا بھی محسوس ہوا کہ تم مجھے کوئی چکر دینے کی کوشش کر رہے ہو تو میں تو تمہارا جو حشر کروں گا وہ بعد کی بات ہے، فوری طور پر تو میں تمہیں ہفتہ دس دن کے لیے حوالدار اور ہیڈ کانسٹیبل کے حوالے کر دوں گا۔''

وہ کمرے کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد ہراساں لہجے میں بولا۔ ''تھانے دار صاحب! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ سے رتی برابر بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آپ کو خدا کا واسطہ، آپ مجھے ان درندوں کے حوالے نہیں کرنا......''

''ٹھیک ہے۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی پتا چل جائے گا کہ تم اپنی بات پر کتنے پکے کھڑے ہو۔ سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے ڈیرے سے فرار ہونے کی کوشش کیوں کی تھی؟''

''جناب! میں نے آپ کو چودھری صاحب کے ساتھ گرما گرمی کرتے سن لیا تھا۔'' وہ بتانے لگا۔ ''آپ ظفری کی تلاش میں ڈیرے پر آئے تھے۔ مجھے یہی محسوس ہوا کہ ظفری کو وہاں غیر حاضر پا کر آپ مجھے گرفتار کر لیں گے۔ بس، میں نے اسی ڈر سے دوڑ لگا دی تھی۔''

''تمہارے یہ قول......'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔ ''بشریٰ کو پیش آنے والے واقعے میں جب تمہارا کوئی ہاتھ نہیں تو پھر تمہیں کس بات کا ڈر تھا؟''

''جناب! سیانے کہتے ہیں کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''ماکھا! تم نے بہت اچھی مثال دی ہے۔ گھن ہمیشہ گیہوں کے ساتھ رہتا ہے اسی لیے اسے گیہوں کے ساتھ ہی چکی میں پسنا پڑتا ہے۔ تم بھی ظفری کے ساتھ گیہوں اور گھن کے مانند اس ڈیرے پر ایک ساتھ رہتے ہو...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تھانے دار صاحب۔'' وہ ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔ ''ان دو جلادوں نے تو پیس کر میری ہڈیوں کا سرمہ بنا ڈالا ہے۔''

''ظفری اس وقت کہاں ہے؟'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ظفری کے موجودہ ٹھکانے سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اسے تذبذب کی کیفیت میں دیکھا تو میں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔

''تم مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ کر چکے ہو ماکھا، یہی سوال میں نے الیاس گھمن سے بھی کیا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ ظفری اس واقعے سے ایک روز پہلے شیخوپورہ چلا گیا تھا لیکن مجھے چودھری کی بات کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ میں نے ظفری کو گزشتہ روز یعنی وقوعہ کی دوپہر جنگل کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس نے ڈھاٹا لگا رکھا تھا بلکہ...... اس کے ساتھ چار پانچ اور ڈھاٹا پوش گھڑسوار بھی تھے۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ لوگ کسی ڈکیتی کی واردات پر نکلے ہوئے ہیں......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''اب میں تمہاری زبان سے حقیقت سننا چاہتا ہوں۔''

میں نے جس مہارت سے ماکھا کے اوپر اپنی تفتیش کا نفسیاتی جال پھینکا تھا، اس نے ماکھا کے ذہن کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے حد خوف زدہ لہجے میں بولا۔

''وہ...... وہ اپنی چاچی کے گھر میں ہے......'' ماکھا چند لمحات تک ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' کی کیفیت میں رہ کر بالآخر سچ اگلنے پر مجبور ہو گیا۔ ''چاچی غفوراں کے گھر۔''

''کیا یہ غفوراں مراد پور کی وسنیک ہے؟''

''نہیں جناب! غفوراں موضع اسلام گنج میں رہتی ہے۔'' اس نے بتایا۔

اسلام گنج نامی یہ چھوٹا سا گاؤں مراد پور سے دو میل کی دوری پر واقع تھا۔ اسلام گنج میں کم و بیش پچاس گھر آباد ہوں گے۔ میں اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ماکھا سے پوچھا۔

''ٹھنڈا پانی پیو گے؟''

''جی پیوں گا......'' وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''پیاس کی وجہ سے میرا حلق سوکھ کر کانٹا بن چکا ہے۔''

میں کمرے سے باہر نکلا اور ایک کانسٹیبل سے کہا کہ وہ ماکھا جٹ کو ٹھنڈا پانی پلائے۔ اس کے بعد میں نے فیض احمد کو ضروری ہدایات دینے کے بعد گمبھیر انداز میں کہا۔

''تم دو کانسٹیبلز کو لے کر اسی وقت موضع اسلام گنج روانہ ہو جاؤ۔ مجھے ہر حال میں صبح سے پہلے ظفری تھانے میں چاہیے۔ جب تک تم واپس نہیں آؤ گے، میں اپنے کوارٹر میں نہیں جاؤں گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

ضرب الامثال

آٹھ گاؤں کا چوہدری، بارہ گاؤں کا راؤ
اپنے کام نہ آئے تو ایسی تیسی میں جاؤ

(کوئی بااختیار شخص کسی کام نہ آئے تو ہونا نہ ہونا برابر ہے)

بھاٹ بھٹیاری بیسوا، تینوں جات کجات
آنے کا آدر کریں جاتے نہ پوچھیں بات

(مطلب کے وقت قدر کرنے اور بعد میں بھول جانے والوں کے لیے)

پارس ناتھ سے چکی بھلی جو آٹا دیوے پیس
دو کوڑھ نر سے مرغی بھلی جو انڈے دیوے بیس

(بے فیض سے وہ شخص اچھا جس سے لوگوں کو فائدہ ہو)

مراسلہ نگار...... راحیل نواب، ملتان

''اچھی طرح سمجھ گیا ملک صاحب۔'' وہ دانت پیستے ہوئے خاصے خطرناک لہجے میں بولا۔ ''ظفری نے محکمۂ پولیس پر بہت سا قرض چڑھا دیا ہے۔ اس قرض کی ایک ایک پائی اتارنا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ مین آپ کو زیادہ انتظار نہیں کراؤں گا۔''

ظفری کی گرفتاری کے حوالے سے مطمئن ہونے کے بعد میں دوبارہ ماکھا جٹ کے پاس آ گیا۔ ٹھنڈا پانی پینے کے بعد اس کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ میں نے دوبارہ تفتیش کا عمل آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تو ظفری کل سے اپنی چاچی غفوراں کی بغل میں چھپا بیٹھا ہے......؟''

''جی بالکل......'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''تو میرا اندازہ درست تھا۔ الیاس گھمن نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''ظفری کو آخری مرتبہ کل تم نے کہاں دیکھا تھا اور کتنے بجے؟''

''کل دوپہر میں جب آپ اصغر علی کے گھر میں موقع

کی کارروائی کر رہے تھے تو ظفری میرے پاس آیا تھا۔''

ماکھا نے بتایا۔''اس نے کہا کہ وہ چودھری صاحب کے کسی ضروری کام سے اسلام گنج جا رہا ہے اور چند دن ادھر ہی رکے گا۔''

''چودھری کا ضروری کام......'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔''کیا ظفری نے اس ضروری کام کی وضاحت کی تھی؟''

''جی نہیں......'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ ضروری کام کیا تھا۔'' میں نے زہرخند لہجے میں کہا پھر اسے اے ایس آئی اینڈ کمپنی کو پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کیا اور آخر میں نظریۂ ضرورت کے تحت چھوٹی سی غلط بیانی بھی کر دی۔''اے ایس آئی نوید علی اور کوچوان امیر بخش کی لاشیں میں نے جنگل میں دریافت کر لی ہیں۔ امیر بخش کے تانگے اور بشریٰ کی لاش کی تلاش ہنوز جاری ہے۔''

میری بات سن کر ماکھا جٹ کا چہرہ پیلا پڑ گیا، لکنت زدہ لہجے میں اس نے مجھ سے پوچھا۔''کیا واقعی یہ دونوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں......؟'' پھر وہ سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔''تھانے دار صاحب! آپ مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لیں۔ اس واقعے سے میرا کوئی تعلق واسطہ نہیں۔''

''تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو کہ سچ بولو گے اور میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اگر تم سچ بولو گے تو میں تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''میں اپنے وعدے پر قائم ہوں اور تم پر مکمل بھروسا کر رہا ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل والی ڈھاٹا پوش گھڑسواروں کی کارروائی میں تمہارا کوئی کردار نہیں ہے۔ ظفری نے میری تفتیش کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جو کچھ بھی کیا، وہ الیاس گھمن کے ایما پر کیا لہٰذا میں انہی دو افراد کے خلاف قانونی چارہ جوئی کروں گا۔ تمہیں اپنے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''جی......'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔''آپ کا بہت شکریہ۔''

میرے نفسیاتی ٹریٹمنٹ نے خاطر خواہ نتائج دیے تھے۔ میں نے اپنے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔''تھوڑی دیر پہلے تمہاری زبان سے دو اہم باتیں نکلی ہیں۔ نمبر ایک...... بشریٰ کو پیش آنے والے واقعے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ نمبر دو...... ظفری کے کسی بھی فعل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہارے ان بیانات کی وضاحت سننا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ وقوعہ کی رات بدنصیب بشریٰ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا اور ظفری کے فعل سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا اس لیے اس نے اندر کی کہانی کھول دی۔ میری نظر میں ماکھا کی بیان کردہ کہانی ایک مکمل اور تفصیلی پوسٹ مارٹم رپورٹ تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ظفری کی کافی عرصے سے بشریٰ پر بری نگاہ تھی۔ وقوعہ کی رات اصغر علی کو گھر میں موجود نہ پا کر اسے من مانی کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے بشریٰ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالا۔ اسی فعلِ بد کے دوران میں بشریٰ جذباتی صدمے سے جان کی بازی ہار گئی۔ ظفری نے بشریٰ کے ساتھ جس درندگی کا مظاہرہ کیا تھا، بشریٰ کی غیرت اسے برداشت نہ کر سکی اور وہ تارتار عصمت کے ساتھ اللہ کو پیاری ہو گئی۔

میں نے ماکھا جٹ کی بات کو تحمل سے سنا اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔''بشریٰ کی موت کے بعد ظفری نے اس کے لباس کو درست کیا پھر اسے گھر کے ایک کمرے میں اس طرح پھانسی پر لٹکایا کہ یہ خودکشی کا واقعہ نظر آئے......''

''جی...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔''ایسا ہی ہوا تھا۔''

''اگر سب کچھ ایسا ہی ہوا تھا تو پھر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی......'' میں نے الجھن زدہ نظر سے ماکھا کی طرف دیکھا۔

وہ جلدی سے بولا۔''کون سی بات جناب؟''

''ظفری، بشریٰ کی عزت کا ہتھیارا تھا اور اس کی موت کا ذمے دار بھی۔'' میں نے بہ دستور ماکھا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''ظفری نے مردہ تباہ حال بشریٰ کو پھانسی دے کر خودکشی کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن چودھری الیاس گھمن بشریٰ کے پوسٹ مارٹم کے خلاف کیوں تھا؟ وہ بشریٰ کی موت کو اصغر علی کے کھاتے میں لکھوانے کی کوشش میں کیوں تھا؟ اس نے مجھ سے ایسی باتیں کیوں کیں جن سے بشریٰ کی کردارکشی کا پہلو اجاگر ہوتا تھا......؟''

''اصل میں...... چودھری صاحب کو ڈر تھا کہ...... آپ حقیقت تک پہنچ جائیں گے......'' وہ رک رک کر بولا۔

''کس بات کا ڈر......کون سی حقیقت؟''

''یہی کہ بشریٰ نے خودکشی نہیں کی بلکہ موت کے بعد اسے پھانسی دی گئی ہے۔''

''مگر چودھری نے تو خود انہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔'' میرے لہجے میں الجھن برقرار رہی۔''وہ بھی بشریٰ کی

موت کو خودکشی نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس کے مطابق بشریٰ ایک بدکردار عورت تھی۔ اصغر علی کافی عرصے سے اس کی بداعمالیوں کو برداشت کر رہا تھا۔ جب اصغر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو اس نے فرید نگر جانے کا ناٹک کیا پھر رات میں واپس آکر اپنی بیوی کو قتل کیا اور پھر اسٹور روم کی چھت سے مردہ بیوی کو لٹکا کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس کی عدم موجودگی میں بشریٰ نے خودکشی کر لی تھی۔ مجھے بتاؤ، چودھری ایک جانب اصغر علی کو بشریٰ کے قتل میں کیوں ملوث کرنا چاہتا تھا اور دوسری طرف وہ اس کا حمایتی بھی بنا ہوا تھا۔ چودھری نے خود مجھ سے کہا تھا کہ اصغر علی نے غیرت کا مظاہرہ کر کے بشریٰ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ آپ بشریٰ کی لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کریں، خوامخواہ اصغر کی بدنامی ہوگی۔''

''چودھری صاحب کو اصغر کی بدنامی سے کوئی مطلب نہیں تھا تھانے دار صاحب!'' ماکھا انکشاف انگیز انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے ترت پوچھا۔ ''پھر چودھری کو کس سے مطلب تھا؟''

''چودھری صاحب اپنے بندوں کو بچانا چاہتے تھے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر لاش کا پوسٹ مارٹم ہوجاتا تو پھر دو باتیں کھل جانا تھیں۔ ایک تو یہ کہ بشریٰ نے خودکشی نہیں کی۔ جب اسے پھانسی دی گئی اس سے پہلے اس کی موت واقع ہوچکی تھی اور دوسری بات یہ کہ موت سے قبل اس کی آبروریزی کی گئی تھی۔''

''بالکل..... پوسٹ مارٹم میں یہ حقائق چھپ نہیں سکتے تھے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم نے کہا کہ چودھری اپنے بندوں کو بچانا چاہتا تھا۔ تم کن بندوں کا ذکر کر رہے ہو؟ بشریٰ کے ساتھ تو صرف ظفری نے ستم ڈھایا تھا.....''

میرے استفسار کا جواب دینے سے پہلے ماکھا نے ایک لمحہ سوچا پھر کسی فیصلے پر پہنچنے کے بعد مضبوط لہجے میں بولا۔ ''وقوعہ کی رات ظفری نے اکیلے ہوس کا کھیل نہیں کھیلا تھا.....''

''پھر.....'' میں نے اضطراری انداز میں پوچھا۔ ''اور کون تھا اس بدبخت کے ساتھ؟''

''عباس گھمن.....'' ماکھا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔

''یہ عباس گھمن کون ہے؟''

''چودھری صاحب کا چھوٹا بھائی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''عباس گھمن اور ظفری میں کافی گہری دوستی ہے۔''

''اوہ.....'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اس کیس کے تمام پہلو روزِ روشن کی طرح مجھ پر عیاں ہوگئے تھے۔ ماکھا نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''تھانے دار صاحب! میں نے اپنا وعدہ نبھاتے ہوئے آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ اب آپ نے مجھے چودھری صاحب کے غضب سے بچانا ہے۔ اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں نے آپ سے یہ باتیں کی ہیں تو وہ میرے ان گنت ٹکڑے کر کے نہر میں پھنکوا دیں گے۔''

''چودھری کی طرف سے تو تم بالکل بے فکر ہوجاؤ۔'' میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ ''تم نے اگر اپنا وعدہ نبھایا ہے تو میں بھی کسی قدم پر عہد شکنی نہیں کروں گا۔ تم فکر نہیں کرو۔ میں سارا ملبا ظفری پر ڈال دوں گا۔''

''وہ کس طرح.....؟'' وہ الجھن آمیز حیرت سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''میں نے ایک ٹیم کو اسلام گنج روانہ کر دیا ہے۔ وہ لوگ تھوڑی دیر میں ظفری کو گرفتار کر کے یہاں لے آئیں گے۔ تم سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں، میں ظفری سے کڑی پوچھ تاچھ کروں گا اور اس پچھ پرتیت سے پہلے میں ظفری کو کچھ دیر کے لیے فیض احمد اور بابر علی کے حوالے کروں گا۔ تم اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر بتاؤ کہ میرے ان دو اہلکاروں سے خاطر مدارات کرانے کے بعد ظفری جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکے گا۔''

''بالکل نہیں تھانے دار صاحب!'' وہ ایک جھرجھری لینے کے بعد بولا۔ ''آپ کے یہ دونوں بندے تو پتھروں کو بھی بولنے پر آمادہ کر لیتے ہیں.....''

''بس تو پھر تم اطمینان رکھو کہ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ ''میں نے تفتیش کے دوران میں تم سے پوچھا..... ظفری کہاں ہے؟ تم نے جواب دیا، وہ شیخوپورہ گیا ہوا ہے۔ میں نے دریافت کیا، ظفری کے رشتے دار کہاں کہاں رہتے ہیں؟ تم نے تین چار جگہوں کے نام بتائے جن میں موضع اسلام گنج بھی شامل تھا۔ اس کے بعد ظفری کی گرفتاری کے لیے میں نے جو بھی کارروائی کی، وہ میرا ذاتی منصوبہ تھا۔ اس میں تمہاری کوئی کوتاہی اور دوش نہیں ہے۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی اچھی طرح سمجھ گیا۔'' وہ سکھ کی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

میں نے ماکھا جٹ کا بیان قلم بند کر کے اس کا انگوٹھا

لگوالیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
”یہ محض کاغذی کارروائی ہے۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“
وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔ ”اب میں جاؤں؟“
”نہیں۔ تمہیں ایک آدھ دن مزید حوالات میں گزارنا ہوگا۔“ میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ ”اس کیس کا اونٹ کسی کروٹ بیٹھ جائے پھر میں تمہیں رہا کردوں گا۔ اگر ابھی چھوڑ دیا تو چودھری کو تم پر شک ہوجائے گا اور تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔“
”یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ وہ پُرسوچ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔
میں نے ماکھا جٹ کو دوبارہ حوالات میں بھیج دیا۔
نصف شب کے قریب اسلام گنج والی ٹیم واپس آگئی۔ فیض احمد، ظفری کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں نے فیض احمد سے کہا کہ وہ جا کر آرام کرے اور ظفری کو بابر علی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔
”بابر! تمہارے لیے نئی خوراک آگئی ہے اور اس میں کوئی ساجھے دار بھی نہیں۔ تم نے اکیلے ہی اس پر ہاتھ صاف کرنا ہے۔“
وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ”آپ فکر ہی نہ کریں ملک صاحب۔ میں اس لنگڑے کی چال اور ڈھال کو تیر کی طرح سیدھا کردوں گا۔“ پھر وہ ظفری کو ایک زوردار دھکا دیتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا۔ ”آؤ...... آپریشن سے پہلے میں تمہیں اپنی لیبارٹری کی سیر کرادوں۔“
میں نے بابر علی کو اچھی طرح وہ پوائنٹس ذہن نشین کرا دیے جن پر ظفری سے اقبالِ جرم کرانا تھا۔ خاص طور پر یہ نکتہ کہ اے ایس آئی اور کوچوان کی لاشیں پولیس کو جنگل سے مل گئی ہیں۔ یہ ایک ایسا داؤ تھا کہ ظفری فرفر اپنے کالے کرتوتوں کی کہانی سنانے پر مجبور ہوجاتا اور خود کو بچانے کے لیے وہ چودھری کے خلاف بیان دینے پر تیار ہوجاتا۔ میں نے بابر علی کو یہ بھی سمجھا دیا کہ وہ ظفری سے کہے کہ اگر وہ حقیقت کا اقرار کرلے گا تو میں اسے سلطانی گواہ یعنی وعدہ معاف گواہ بنالوں گا۔ اس کے بعد میں اپنے کوارٹر میں آگیا۔ میں نے دونوں حوالاتیوں کو الگ الگ رکھنے کی تاکید بھی کردی تھی۔

☆☆☆

آئندہ روز صبح ہی صبح میں عدالت پہنچ گیا اور چودھری الیاس گھمن کو قابو کرنے کے سرکاری منتر لے کر واپس تھانے آگیا۔ اس دوران میں بابر علی نے ظفری سے اقبالِ جرم کروالیا تھا۔ ظفری نے بتادیا تھا کہ اس نے بشریٰ کی لاش کو جنگل کے کس حصے میں دفن کیا تھا۔ امیر بخش والا تانگا تو موضع اسلام گنج ہی سے بازیاب کرلیا گیا تھا۔ میں نے ظفری کا بیان قلم بند کر کے اس کا انگوٹھا لگوایا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ عدالت میں حقائق کو بیان کرے گا تو میں اس کے ساتھ خاص رعایت کر کے اسے سزائے موت سے بچالوں گا۔ ان دو دنوں میں، میں نے چودھری الیاس گھمن کی اندرونِ خانہ اور بیرونِ خانہ ہر نوعیت کی معلومات اور حالات سے آگاہی بھی حاصل کرلی تھی چنانچہ میں نے حوالدار فیض احمد اور دو مستعد کانسٹیبلز امتیاز حسین اور فیروز شاہ کو ساتھ لیا اور پوری تیاری کے ساتھ چودھری کی حویلی پر چڑھائی کردی۔
جب چودھری کو پتا چلا کہ میں اسے اور اس کے چھوٹے بھائی عباس گھمن کو گرفتار کرنے آیا ہوں تو وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ سانپ سے مشابہ پھنکار میں اس نے مجھ سے کہا۔
”صفدر حیات! یہ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے جو یوں منہ اٹھائے چلے آئے ہو۔“
”چودھری! میں جانتا ہوں، یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور میں تمہیں اور تمہارے چھوٹے بھائی عباس گھمن کو اس گھر سے بے گھر کرنے آیا ہوں۔ تمہارے دونوں نمک خوار اس وقت میری تحویل میں ہیں۔“
”دونوں......؟“ اس نے سوالیہ نظر سے چونک کر مجھے دیکھا۔
”ہاں دونوں!“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”ماکھا تو ایک دم بے کار ہے لیکن ظفری بہت کام کا بندہ ثابت ہوا ہے۔ اس کا اقبالی بیان تم دونوں بھائیوں کو ساری زندگی جیل میں سڑانے کے لیے کافی ہے۔“
”یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟“ اس کا غیظ وغضب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، وہ حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ ”تم نے چودھری الیاس گھمن کے قہر کو للکار کر اپنی آنے والی نسلوں کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔“
”میں صرف اپنے مالک کے قہر سے ڈرتا ہوں چودھری۔“ میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ”تمہارے جیسے بدقماش اور بدکردار چودھریوں کو تو میں جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔“

''میں اپنے سامنے اونچی آواز میں بولنے والے کی زبان کو گدی سے کھنچوا کر چیل کوؤں کو کھلا دیتا ہوں۔'' وہ کف اڑاتے ہوئے بولا۔ ''ایک منٹ کے اندر میری حویلی سے دفع ہو جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''خوب کہا......'' میں نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں بھی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ تم سے زیادہ برا اور کوئی نہیں ہوسکتا اور جہاں تک میرے حویلی سے نکلنے کا تعلق ہے تو میں خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا۔ ظفری کا اقبالی بیان میں قلم بند کر چکا ہوں اور......'' میں نے ڈرامائی توقف کر کے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کیا۔

''اور تم دونوں عاقبت نااندیش بھائیوں کا عدالتی پروانۂ گرفتاری بھی ہے میرے پاس۔''

تھوڑی دیر پہلے آتش زیرپا دکھائی دینے والا چودھری ایک دم ڈھیلا پڑ گیا اور معتدل انداز میں بولا۔

''اچھا......تو تم سرچ وارنٹ ساتھ لائے ہو۔''

''سرچ وارنٹ بھی اور ریسرچ وارنٹ بھی۔'' میں نے معنی خیز نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''پہلے میں تمہاری پوری حویلی کی سرچ کروں گا پھر دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے تھانے کے ٹرائل روم میں تم پر ریسرچ کروں گا۔''

وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہاری بات کا یقین نہیں کرسکتا۔ مجھے وہ وارنٹ دکھاؤ۔''

میں نے اپنی جیب میں سے حویلی کی مکمل تلاشی اور چودھری گھمن برادران کی گرفتاری کے وارنٹ نکال کر الیاس گھمن کی آنکھوں کے سامنے لہرائے پھر دونوں کانسٹیبلز سے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''چودھری کے چھوٹے بھائی عباس گھمن کو ڈھونڈ کر باہر نکالو۔''

پھر میں نے فیض احمد سے کہا۔ ''حوالدار! چودھری کو گرفتار کرلو۔''

میرے خطرناک تیور اور غیر متزلزل ارادے کو دیکھ کر چودھری قدرے نرم پڑ گیا۔ وہ اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ بولا۔ ''آپ نے میرے دو خاص بندوں کو حراست میں لے رکھا ہے۔ ساری کارروائی انہی پر ڈال دیں۔ ہم بھائیوں کو گرفتار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ جو کہیں گے، میں آپ کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہوں۔''

''چودھری! تم سیدھی طرح گرفتاری دیتے ہو یا میں پورے مراد پور کے سامنے جوتے مارتے ہوئے تمہیں ہتھکڑی پہنا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔'' میں نے ہر لحاظ اور ہر مروت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا پھر حوالدار کی طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔

''فیض احمد! تم نے سنا نہیں، میں نے کیا کہا ہے؟''

حوالدار نے آگے بڑھ کر چودھری کو آہنی زیور پہنا دیا۔

اسی وقت دونوں کانسٹیبلز عباس گھمن کو دھکے دیتے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ میں نے عباس گھمن کو بھی ہتھکڑی لگائی اور پہلی فرصت میں چودھری برادران کو تھانے لے آیا۔

چودھری الیاس گھمن کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر اس کی جاں بخشی کرنے والا نہیں ہوں۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔ ''تھانے دار صاحب! میں علیحدگی میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

ایک لمحہ سوچنے کے بعد میں اسے اپنے کمرے میں لے آیا اور نفرت آمیز لہجے میں استفسار کیا۔ ''بولو......کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''ابھی معاملہ تھانے کے اندر ہی ہے ملک صاحب۔'' وہ منت ریز لہجے میں بولا۔ ''آپ بڑے بااختیار تھانے دار ہیں۔ اگر آپ چاہیں گے تو یہ معاملہ ادھر ہی ختم ہو جائے گا۔''

''وہ کس طرح؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ آواز دبا کر بولا۔ ''سرکار! مرنے والے کو تو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اس کیس کا سارا ملبا ماکھا اور ظفری پر ڈال دیں۔ اس کے بدلے میں، میں آپ کو خوش کر دوں گا۔''

''کان کھول کر سن لو الیاس گھمن! میں نے کبھی لاشوں کا کاروبار نہیں کیا۔'' میں نے اس کے کان کے کیڑے جھاڑتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''بکروں کی قربانی سے یہ بلا ٹلنے والی نہیں۔ موجودہ صورتِ حال دو ہٹے کٹے مرکھنے بیلوں کی قربانی کا مطالبہ کر رہی ہے یعنی...... چودھری برادران کی صحت مند قربانی البتہ......'' لحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''البتہ، میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم مجھے کس طرح خوش کرنا چاہتے ہو؟''

''دیکھیں ناجناب!'' وہ اپنی گھٹیا سوچ کو زبان تک لاتے ہوئے بولا۔ ''پولیس کی اس نوکری سے آپ کو ملتا ہی کیا ہوگا۔ اگر آپ میری تجویز پر عمل کریں تو میں آپ کو مالا مال کر دوں گا...... پانچ ہزار...... دس ہزار...... یا جتنے بھی

آپ کہیں، میں دینے کو تیار ہوں۔ بس اس معاملے کو ادھر ہی رفع دفع کردیں۔''
''ہوں......'' میں نے گہری نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔ ''تو گویا تم مک مکا کرنا چاہتے ہو؟''
''آپ یہی سمجھ لیں......'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔
''چودھری! میں مُک مُکا کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے اس کے دل کی بات کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ مک مکا میری شرائط پر ہوگا۔''
اس کی جان میں جان آئی۔ ''آپ حکم کریں سرکار!'' وہ بے حد فدویانہ انداز میں بولا۔ ''میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔''
''ہر شرط......؟'' میں نے تصدیق طلب نظر سے اسے دیکھا۔
''جی بالکل......'' وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ ''اگر آپ ہم دونوں بھائیوں کو اس مصیبت سے نکال دیں تو میں آپ کا ہر مطالبہ پورا کرنے کو تیار ہوں۔''
''ظفری کو تو میں کسی بھی صورت نہیں چھوڑ سکتا۔'' میں نے اپنے مقصد کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔
''آپ ظفری اور ماکھا کا جو جی چاہے، حشر نشر کریں۔ مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔'' وہ خود غرضانہ انداز میں بولا۔ ''آپ ہم دونوں بھائیوں کو چھوڑنے کی قیمت بتائیں؟''
''میں آپ دونوں کو دیت کے قانون کی بنا پر چھوٹ دے سکتا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
''میں خون بہا میں اصغر علی کو منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔'' وہ خاصے توانا لہجے میں بولا۔ ''آپ بتائیں، کتنے میں مک مکا ہوجائے گا؟''
''یہ معاملہ محض رقم دینے سے حل نہیں ہوگا چودھری۔'' میں نے اپنا مقصد الیاس گھمن پر واضح کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک بھاری رقم تو اصغر علی کو دوگے ہی۔ چونکہ اس کی عزت کا خون ہوا ہے لہٰذا خون بہا میں تم اسے عزت بھی دوگے......''
''میں سمجھا نہیں؟'' وہ الجھی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا۔ ''میں اصغر علی کی بیوی کو کیسے زندہ کرسکتا ہوں؟''
''تم کیا...... بشریٰ کو کوئی بھی زندہ نہیں کرسکتا۔''
''پھر آپ کی اس بات کا مطلب کیا ہے؟''
''میں چاہتا ہوں، اصغر کا گھر بس جائے۔'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اسی ہفتے یا زیادہ سے زیادہ ایک مہینے کے اندر......''
''یہ کون سا مشکل کام ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں آج ہی اصغر کی شادی مراد پور کی کسی لڑکی سے کروا دیتا ہوں۔''
''نہیں چودھری!'' میں نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اصغر کو مراد پور کی کسی بھی ''اے بی سی'' لڑکی سے شادی نہیں کرنا۔''
''پھر......؟''
''خون بہا کون دے رہا ہے؟''
''میں......!'' وہ بے ساختہ بولا۔
''بس تو پھر اصغر علی کی شادی بھی آپ کے گھر سے ہوگی۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''وہ مراد پور کی حویلی کا داماد بنے گا۔''
''آپ ہوش میں تو ہیں......؟'' وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔
''میں ہوش میں ہوں جبھی تو دیت کی تجویز پر عمل کرنے کو کہہ رہا ہوں۔'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''تمہاری بیٹی جمیلہ دو سال پہلے بیوہ ہوگئی تھی۔ تم جمیلہ کو خون بہا میں اصغر کی بیوی بنا سکتے ہو۔ اس طرح جمیلہ اور اصغر کا گھر بھی بس جائے گا اور آپ دونوں بھائی بھی ذلیل و رسوا ہونے سے محفوظ رہوگے بلکہ آپ دونوں کی جاں بخشی ہوجائے گی۔''
''یہ نہیں ہوسکتا......!'' اس کے جاگیردارانہ خون نے جوش مارا۔
''تو پھر مک مکا کو بھول جاؤ۔'' میں نے قطعیت بھرے انداز میں کہا۔ ''اصغر کو تو بہت سی عورتیں مل جائیں گی شادی کے لیے لیکن جمیلہ کو باپ اور چاچا کبھی نہیں مل سکے گا۔ میں تم دونوں بھائیوں کے خلاف ایسا مضبوط کیس بناؤں گا کہ اگر تمہیں پھانسی کی سزا نہیں بھی ہوئی تو تم دونوں جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے زندگی بھر سڑتے رہوگے اور...... تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ایسا کرسکتا ہوں کیونکہ میرے پاس تم دونوں بھائیوں کے خلاف ٹھوس ثبوت موجود ہیں......''
چودھری الیاس گھمن چند لمحات تک ٹٹولتی ہوئی نگاہ سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے بند گلی میں پہنچا دیا تھا۔ اقرار کی صورت میں ناک کٹتی تھی اور انکار کرنے پر گردن کٹتی تھی۔ وہ اندر سے بہت گھٹیا اور چھوٹا انسان تھا۔ ایسے افراد کو اپنی جان سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ ان کا شمار غیرت میں کٹ مرنے والوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ چودھری الیاس گھمن نے بھی میرے مطالبے کے سامنے گردن جھکا دی۔
گویا وہ ''مک مکا'' کے لیے راضی ہوگیا تھا......!
(تحریر: حُسام بٹ)